امام احمد رضا (رحمہ اللہ)

اور

علمِ حدیث

مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی

مرکزی مجلس رضا ـ لاہور

سلسلہ مطبوعات مرکزی مجلس رضا۔ لاہور (۲۳)

امام احمد رضا (قدس سرہٗ) اور علم حدیث

حضرت مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی

مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

نام کتاب :	امام احمد رضا اور علم حدیث
مؤلف :	مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی
کتابت :	محمد اسلم
پروف ریڈنگ :	مولانا محمد عالم مختار حق۔ لاہور
بار اول :	رجب المرجب ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء
تعداد :	دو ہزار
بار دوم :	ربیع الاول ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۹ء
تعداد :	ایک ہزار
بار سوم :	صفر ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء
تعداد :	دو ہزار
مطبع :	جنرل پرنٹرز لاہور
ناشر :	مرکزی مجلس رضا لاہور
ہدیہ :	دعائے خیر بحق معاونین مجلس رضا

ملنے کا پتا

مرکزی مجلس رضا۔ نوری مسجد۔ بالمقابل ریلوے اسٹیشن۔ لاہور

نوٹ : بیرونجات کے حضرات پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔

پیش لفظ

حضرت مفتی غلام سرور قادری مدظلہ

دین اسلام اللہ تعالیٰ حضور پرنور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے اور پردہ فرمانے سے قبل اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کر دیا اور کوئی کسر نہ چھوڑی گئی اور ہر چیز کو روشن طریقے سے بیان کر دیا گیا مگر ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے جنہیں نور ظاہر کے ساتھ نور باطن کی دولت سے بھی نوازا گیا جنہیں عرف شرع میں علماء کہا جاتا ہے اور وہ بھی عام علماء نہیں بلکہ علماء حق جو علماء ربانیین کے لقب سے معروف و ملقب ہیں۔ پھر ان علماء ربانیین کی باطنی استعداد بھی یکساں نہیں بلکہ متفاوت و مختلف ہے۔ عام آدمی کو حکم ہے کہ وہ انہیں علماء ربانیین سے اپنے علم کی پیاس بجھائے اور جو معلوم نہ ہو، ان سے معلوم کرے۔ اسلام ایک ہمہ گیر اور ابدی دین ہے اس کی چمک قیام قیامت تک پورے مستقبل کو منور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اور اس کی تشریح و تفسیر کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنت مطہرہ اپنی امت کو عطا فرمائی ہے اس کی حیثیت ایک ایسے چشمۂ نور کی سی ہے جس سے کوئی جس قدر نور حاصل کرے اور جب تک کرے بلکہ پوری دنیا کرے اور تا قیامت کرے۔ اس کے انوار میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا کسی طرح کی کمی نہ آنے پائے گی قرآن و سنت میں جہاں بے شمار مسائل جزئیات کی صورت میں مذکور ہیں وہاں ایسے اصول و ضوابط بھی ان گنت ہیں جو ان بے شمار اور لاتعداد جزئیات کے لیے کلیاتی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں اسباب و علل کہنا چاہیئے گویا احکام و مسائل اور کلیات و علل کچھ آپس میں اس طرح سے مربوط ہیں کہ عقل صحیح اور شعور قوی تا قیامت اس پر نئے سے نئے مسائل کی عمارت بخوبی استوار کر سکتا ہے۔ ایسے عقل صحیح اور شعور قوی کے حامل حضرات علماء ربانیین ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور ان کا ظہور حسب منشا ایزدی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا جنہیں زبان نبوت سے مجدد کا لقب دیا گیا چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الامۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا[1] کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے شروع میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا

---

[1] مشکوٰۃ جلد ا ص۳۶ کتاب العلم الجامع الصغیر جلد ا ص۳

رہے گا۔ جو میری اُمت کے لیے ان کے دین کو تازگی بخشیں گے اور دُوسری حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ [1]

اس علم (قرآن وسنت) کو ہر آنے والی جماعت میں سے نیک و معتمد لوگ حاصل کریں گے جو حد سے بڑھنے والوں کے جھوٹ باطل پرستوں کی خیانت اور جاہلوں کی من گھڑت تعبیر کو (قرآن وسنت) سے دُور کریں گے۔

حدیثِ اوّل کی وضاحت کرتے ہوئے امام علامہ علی بن سلطان محمد قاری فرماتے ہیں کہ ہر صدی کے انتہا و ابتداء میں جبکہ علم کی کمی ہوتی اور سنت متروک ہو جاتی ہے اس کے مقابلہ میں جہل و بدعت عروج کو پہنچ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ دین کی تجدید کرنے والے پیدا کرتا ہے جو اپنی مساعی کو بروئے کار لاکر سنت و بدعت میں نہ صرف امتیاز قائم کر کے دکھا دیتے ہیں بلکہ وہ علم صحیح کی خوب نشر و اشاعت فرماتے اور علم صحیح کے حامل حضرات کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں بدعت کا قلع قمع اور خاتمہ کر کے اہل بدعت کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔[2]

تجدید تجدید و احیاء دین کا فریضہ ہر مجدد اپنی قدر و بساط کے مطابق انجام دیتا ہے مثلاً دولت مند دولت و مال خرچ کر کے اور علماء علم و کردار کے زور و حسن سے تجدید کرتے ہیں، کتابیں تصنیف کرنا، علماء تیار کرنا انہیں کی شان ہے۔ آج اسلام کے دامن میں جو قرآن وسنت اور فقہ و دیگر علوم پر لکھے ہوئے کتب کے اس قدر وسیع ذخائر ہیں کہ کسی مذہب و ملت میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ علماء کی تجدیدی مساعی کا نتیجہ ہے جیسا کہ امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تجدیدی کام میں ایک مثالی شخصیت ہے انہوں نے ہر فن میں کتاب لکھی یا کسی کتاب کی شرح لکھی بلکہ وہ علم و تحقیق میں یہاں تک آگے بڑھے کہ ایسے فنون پر بھی قلم اٹھایا جس کی طرف ماضی کے علماء محدثین اور محققین نے توجہ نہیں فرمائی تھی۔ اس لیے اس آپ کا اسم گرامی مجددین کی فہرست میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔[3] اور دوسری حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

---

[1] مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۳۶ کتاب العلم
[2] مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۴۷
[3] مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۴۷-۲۴۸

_ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ سے کتاب وسنت کا علم مراد ہے اور اس علم کو حاصل کرنے والے با اعتماد وہی حضرات ہیں جو اعتقاد صحیح کی نعمت سے بہرہ ور اور تقویٰ و دیانت کے حامل ہوتے ہیں۔ جو اس علم یعنی قرآن وسنت سے اہل بدعت کی من گھڑت تعبیرات کو اپنے علمی کمال سے پاش پاش کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور اسی قسم کے لوگ باطل فرقوں کے جھوٹ کا پول کھولتے ہیں۔ اور قرآن وسنت سے جاہل لوگوں کی نام نہاد تحقیق کے تار و پود بکھیر دیتے ہیں۔ [1]

علم حدیث پر عبور

اور تجدید و احیاء دین کا عظیم الشان کام اس وقت تک ایک عالم کے لیے مشکل اور دشوار ہے جب تک کہ اسے کتاب الٰہی کے علاوہ حدیث وسنت مطہرہ پر بھی بہ تمام و کمال عبور نہ ہو۔

امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ انہیں حضرات میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنے علم و تقویٰ اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زور سے اسلام کی وہ بے مثال خدمت انجام دی کہ اس کی مثال زمانۂ ماضی میں خال خال ملے گی۔ سنت و بدعت میں جس طرح آپ نے امتیاز کیا اور سنت پر عمل پیرا ہو کر بدعت کا قلع قمع فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ہر فن پر ایسی تحقیقات منظر مشہود پر لائے کہ اس فن کے موجد تصور ہوتے تھے۔ بالخصوص فقہ میں اگر انہیں امام ابو حنیفہ ثانی اور حدیث میں امیر المومنین کہا جائے تو حق بجا ہوگا۔

امام احمد رضا امیر المومنین فی الحدیث

آپ حدیث میں امیر المومنین فی الحدیث کے صحیح مصداق تھے۔ حضرت مولٰنا سراج الفقہا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> اسی دور میں احمد پور کے ایک مشہور فقیہ مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی یہ مولانا تفقہ میں اپنے ہمعصر علماء سے ممتاز تھے اور کسی کو اپنا ہمسر تصور نہیں کرتے تھے۔ عقیدہ کے اعتبار سے غیر مقلد (وہابی) تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوی پر گفتگو ہوئی کہ حدیث صحیح کے مقابل قولِ فقہا پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ "الفضل الموہبی فی

---

[1] مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴۸

معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی" کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے انہیں سنائے تو کہنے لگے یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس کہ میں ان کے زمانہ میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا[1]

صاحب انوار الباری کا خیال غلط

علمائے دیوبند میں سے ایک صاحب مولانا سید احمد رضا بجنوری کے نام سے ہیں۔ جو مولوی انور شاہ کشمیری کے تلامذہ میں سے ہیں وہ بخاری کی شرح انوار الباری کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ اس کے مقدمہ میں موصوف نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت تسلیم کرتے ہوئے آپ کی فقاہت کے گن گائے ہیں لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ آپ حدیث میں ضعیف (کمزور) تھے[2] لیکن مصنف انوار الباری کی یہ بات بڑی عجیب ہے کہ وہ فقیہ بھی ہوں اور وہ بھی چوٹی کے لیکن حدیث میں ضعیف ہوں اور یہ اجتماع ضدین ہے۔ گویا انہوں نے اپنے قول ثانی سے کہ وہ حدیث میں ضعیف تھے اپنے قول اول کی کہ وہ فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے کی تکذیب فرمادی۔ اور اگر ان کا قول اول ناقابل تکذیب ہو جیسا کہ یہ حقیقت مسلمہ ہے۔ جسے انہیں مجبوراً تسلیم کرنا پڑا تو پھر ان کا قول ثانی کہ وہ حدیث میں ضعیف تھے بجائے خود غلط، جھوٹ۔ اور اعلیٰ حضرت پر افترا ہوگا۔ جس کی بنیاد مذہبی تعصب ہی ہے۔ خدا ایسے مذہبی تعصب سے بچائے جس سے انسان کھلے آفتاب کے وجود کا ہی انکار کرکے حقیقت کا منہ چڑانے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی عالم دین اس وقت تک فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسے حدیث میں بہ تمام و کمال عبور نہ ہو کہ فقہ کی تعریف میں یہ حقیقت سموئی ہوئی ہے۔ اور مزید دلیل کی حاجت نہیں کہ فقہ اہل اصول کے نزدیک احکام شرعیہ فرعیہ کو ان کے دلائل تفصیلیہ سے اخذ کرنے کا نام ہے[3] اور دلائل تفصیلیہ چار ہیں۔ کتاب الٰہی، سنت یعنی حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اجماع اور قیاس[4] اور ساتھ ہی فرماتے ہیں۔ فقیہ وہی ہوتا ہے جو قرآن و سنت کے علوم پر گہری نظر رکھتا ہو[5] غرض کہ فقہ پر کما حقہ دسترس اسی وقت ہوتی ہے جبکہ قرآن و سنت پر کما حقہ

---

[1] سوانح سراج الفقہاء ص ۳۳، ۳۴

[2] مقدمہ انوار الباری

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار ص ۲ طبع دھلی

[4] رد المحتار شرح الدر المختار جلد ۱ ص ۳۴

[5] الشامی جلد ۱ ص ۳۶

عبور ہو اور اس کے بغیر فقاہت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو جو علم حدیث پر عبور حاصل تھا۔ اسے اس طرح بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ اگر ان کے مزاج میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانہ کے ابوحنیفہ مانے جاتے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ جس کی بنا پر وہ معاصرین بلکہ بہت سے اسلاف سے بھی میدان تحقیق میں سبقت لے گئے اور ثانی ابوحنیفہ ہونا یا اپنے زمانہ کا ابوحنیفہ ہونا کسی ایسے عالم و فاضل کا کام نہیں جو حدیث میں ضعیف اور کمزور ہو۔ بلکہ علم حدیث میں جب انہیں دیکھا جاتا ہے۔ اور ان کی ان بے بہا تحقیقات کو جو ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہیں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو وہ ہر لحاظ سے امیر المومنین فی الحدیث اور فقہ میں ایک مجتہد معلوم ہوتے ہیں اعلیٰ حضرت میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک مجتہد میں ہونی چاہئیں پھر آپ بلاشبہ مجتہد فی المذہب تھے لیکن تواضع کا یہ عالم کہ اجتہاد کا دعوےٰ نہ فرمایا ۔ ۔ ۔ ۔ اگر آپ اجتہاد کا دعوےٰ فرماتے جو اس میں حق بجانب ہوتے کہ اجتہاد کا دروازہ بلاشبہ کھلا ہے بند نہیں ہے جیسا کہ مقالہ نگار مدظلہ العالی کی رائے ہے لیکن آپ میں وہ تمام شرائط بھی پائے جاتے تھے جو ایک مجتہد میں ہونے چاہئیں۔ جن کی تفصیل ہماری کتاب الاجتہاد فی الاسلام میں قابل دید ہے لیکن آپ نے تواضعاً و للادباً مع الائمہ الکرام اپنے آپ کو اس لائق نہ سمجھا۔ آپ نے حدیث پر جو کام کیا اس پر چھوٹے چھوٹے مقالے یا کتابچے نہیں بڑی بڑی اور ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ حدیث سے متعلق ان کا قلم امام سیوطی اور امام ابن حجر عسقلانی و امام ذہبی سے کوسوں آگے نظر آتا ہے۔ جس طرح فقہ میں علما نے آپ کا مقام اس حد تک بلند و بالا پایا ہے کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر اگر حیات ہوتے تو وہ اعلیٰ حضرت بریلوی سے استفادہ کرتے۔ اسی طرح حدیث میں آپ کو مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اگر آج ابن حجر عسقلانی و ذہبی و سیوطی اور علامہ عینی ہوتے تو وہ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ استاذ العلماء مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام قبلہ خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی مدت حیاتہم نے اعلیٰ حضرت بریلوی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ آیۃ من آیات اللہ تھے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے زبان درفشاں سے اعلیٰ حضرت بریلوی کے بارے میں یہ نکلا ہوا لفظ آپ کے اس مقام کا اجمالی تعارف بلکہ صاحب بصیرت حضرات کیلئے تفصیلی بیان ہے جو خدا نے آپ کو بخشا۔ واقعی اعلیٰ حضرت اپنے زمانہ میں اللہ

تعالیٰ کی آیت کبریٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ عظمیٰ تھے۔ اس حقیقت پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی طرح آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر قلب سلیم کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کے مقام علو سے بے خبر حضرات سے گزارش: ؎

اس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار [1] | شمشیر کی مانند ہے بُرّندہ و برّاق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار | ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو | تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی | وہ پاکیٔ فطرت سے ہُوا محرمِ اعماق

مرکزی مجلس رضا لاہور کے صدر محترم جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرت سری مدت حیاتہم کے حسب ارشاد علامہ قبلہ اویسی صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور کے مقالہ پر پیش لفظ کے طور پر چند سطور ہدیہ ناظرین ہیں۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میری ان سطور سے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی حدیث میں مہارت اور فن حدیث پر عبور سے متعلق حق ترجمانی ادا نہیں ہوا۔ امید ہے کہ زیر نظر مقالہ سے قارئین کو امیر المومنین فی الحدیث فاضل بریلوی کے علوم حدیث سے متعارف ہونے میں اچھی خاصی مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس پر ایک ضخیم کتاب معرض تحریر میں لائی جائے گی جس میں اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی حدیث میں کمال مہارت اور اس پر آپ کے بے مثال عبور کی سیر حاصل بحث ہوگی فقط۔

فقط طالب رضا

محمد ابوسعید غلام سرور عرف محمد سرور قادری

خادم الحدیث والادب العربی

جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور

---

[1] یعنی اعلیحضرت کلام اقبال بہ تغیر یسیر

امام احمد رضا رحمۃ اللہ اور علم حدیث

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اعلیحضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ، اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں میں سے ہیں جن کی علمی اور عملی تربیت قدرت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی یہی وجہ ہے کہ کثیر التصانیف ہونے کے باوصف موصوف کی تحقیقات سے دیانتدارانہ اختلاف کی گنجائش نہیں۔ حالانکہ بزعم خویش محققین کی تصانیف میں صد ہا غلطیاں ہوتی ہیں اور پھر ان کی تصانیف کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں اور اس کا انہیں خود بھی اعتراف ہے، لیکن ہمارے حضور نے جب اپنے رہوار قلم کا رخ میدان تحقیق کی طرف کیا، تو ان گنت صفحات گہر ہائے معانی سے مزین ہوتے چلے گئے۔ اعلاوہ کے متلاشی حریفوں نے موصوف کی تصانیف کے ایک ایک ورق کی چھان بین کی اور بار بار تجسس کیا لیکن وہ اس فاضل ترین شخصیت کے کسی ایک حرف کو بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔ بالآخر انہیں آپ کی علمی حیثیت کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اور آپ کی مدح و منقبت بیان کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ایسے چند ایک شواہد ہم نے آپ کی فقاہت کے مضمون میں پیش کئے ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ تحقیق کے میدان میں ایک عام محقق ایک یا دو فنون میں کامل ہوتا ہے اور بس۔ مگر بہت کم افراد ایسے ہوئے ہیں، جنہیں جملہ فنون کی گہرائیوں تک پہنچنا نصیب ہوا ہو۔ ایجاد فنون تو دور کی بات ہے، لیکن بفضلہ تعالیٰ اعلیحضرت قدس سرہٗ، اُمت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے وہ جید عالم اور دینی پیشوا ہیں جنہیں نہ صرف جملہ دینی علوم و فنون سے کما حقہٗ آگاہی حاصل تھی بلکہ انہیں کئی ایک فنون کا موجد بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اور آپ کی مجددیت میں کسی کو انکار کا یارا نہیں، چونکہ یہ ایک علیحدہ اور مستقل باب ہے۔ اس لیے اس بارے میں کچھ لکھنا یہاں موقع و محل کے خلاف ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی فن بغیر محنت و ریاضت کے حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو تعلیم اور بغیر ہی علوم ظاہری و باطنی ودیعت فرما دے تو یہ اس کی فیاضی ہے اور وہ اس پر قادر ہے لیکن ایسے حقائق شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی حقیقت کا مظہر ہیں اور وہ ایسے ہی برگزیدہ بندوں میں سے ہیں چنانچہ ذیل کے واقعات سے ان کی عظمت و رفعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آغازِ تعلیم

بسم اللہ خوانی کی تقریب سعید کے موقع پر آپ کے استاذ محترم نے بسم اللہ شریف کے بعد الف، با تا، ثا سے آپ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ استاذ محترم کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے، لیکن جب لَام الف لا پر پہنچے تو اپنے استاذ صاحب سے سوال کیا کہ لام بھی پڑھ چکا ہوں اور الف بھی، اب یہ دونوں حروف دوبارہ کیوں؟ اس پر آپ کے دادا جان علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "استاذ محترم کا کہا مانو" یہاں سوال کرنے کا کیا مطلب؟ لیکن دادا جان نے سوچا کہ بچہ ہونہار ہے۔ اسے کچھ سمجھا دینا ہی مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا: "بیٹا! وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے جو الف تُو نے پڑھا ہے۔ وہ ہمزہ ہے اور یہ الف خالی ہے۔ اور اس کے ساتھ جب تک دوسرا حرف نہ ملے نہیں پڑھا جا سکتا۔" اعلیحضرت نے جواباً عرض کیا "پھر لَام کی کیا تخصیص ہے۔ دوسرے حروف میں سے کسی ایک کو لگا دیا جاتا ہے۔" دادا جان نے جوشِ مسرت سے آپ کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا "پیارے بیٹے! وجہ یہ ہے کہ لَام اور الف کو صورۃً اور معنیً ہر طرح آپس میں مناسبت ہے۔ صورۃً تو اس طرح کہ لکھنے میں دونوں کی صورت ایک جیسی ہے۔ اور معنیً یوں کہ لَام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لَام۔ یعنی لام الف کے قلب میں اور الف لام کے قلب میں ہے۔ گویا یہ دونوں اس شعر کے مصداق ہیں۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لہ حیات اعلیحضرت صہ ج ۱

ناظرین غور فرمائیں کہ اعلیٰحضرت تسمیہ خوانی ہی سے وہ اعتراضات پیش فرما رہے ہیں جو ہمارے منتہی طلبہ کو معقول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھتے وقت بھی حاصل نہیں ہوتے اور سوالات بھی ایسے انوکھے جنہیں سن کر بڑے بڑے فلسفی انگشت بدنداں اور وحدت الوجود کی حقیقت کو سمجھنے والے وجد کناں نظر آئیں۔ اسے اعلیٰحضرت کی ولایت سمجھئے یا مجددیت کی علامت، اسی وجہ سے آپ کی تعلیم پر خود اساتذہ دنگ رہتے تھے کہ ان کا یہ علم لدنی ہے یا ملکوتی القاء، چنانچہ اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں کہ میرے استاد جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے تھے تو میں ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا۔ جب وہ سبق سنتے تو حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہی حالت دیکھ کر سخت متعجب ہوتے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے۔ احمد (رضا) میاں یہ تو بتاؤ، تم آدمی ہو یا فرشتہ؟ مجھے پڑھانے میں دیر لگتی ہے مگر تمہیں یاد کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ [1]

غور فرمائیے۔ ہم اپنے تعلیمی ادوار یاد کرتے ہیں کہ جب تک ہم اپنے اسباق کو کئی بار نہ دہرائیں۔ یاد نہیں رہتا۔ اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنائیں تو کچھ نہ کچھ بھول چوک ضرور ہو جاتی ہے لیکن قدرت کی تربیت اور انسان کی اپنی محنت میں زمین و آسمان کے برابر فرق بتانا بھی سوءِ ادب ہے۔

اور پھر میرا شعور تو یہ کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا جملہ علوم و فنون میں ماہر ہونا اگرچہ درس و تدریس کا محتاج نہیں تھا، لیکن پھر بھی اس میں مطالعہ کو کچھ نہ کچھ دخل ضرور تھا۔ مگر حدیث دانی تو آپ کی فطرت تھی۔ بلکہ یوں کہیئے کہ فنونِ حدیث آپ کو گھٹی میں پلائے گئے تھے۔ اس لئے کہ آپ فقیہ اس وقت بنے، جب آپ نے بریلی کے دار الافتاء میں بیٹھ کر پہلا فتویٰ دیا اور مصنف اس وقت کہلائے جب آپ نے تصانیف کے انبار لگا دیئے۔ اپنی کتابوں کے حیرت انگیز تاریخی نام رکھے اور علمی و ادبی میدان میں بڑے بڑے ادباء و شعراء پر بھی سبقت لے گئے، تو ارباب علم و دانش کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ آپ شاعر فی الواقعہ ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں اور نقاد الکلام بھی۔ فن شعر میں آپ کا رنگ سخن اس وقت نکھرا، جب کہ آپ نے سرورِ انبیاء، خواجہ ہر دوسرا، تاجدارِ مدینہ، محبوب کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب کے موتی بکھیرے۔

---

[1] حیات اعلیٰحضرت ص ۳۲ ج ۱

علم حدیث سے باخبر حضرات کو معلوم ہے کہ احادیث مقدسہ کو صرف ازبر کرنے والے کو محدّث کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ محدّث کہلانے کا مستحق وہ ہے جسے احادیث کے اسرار و رموز سے پوری پوری آگاہی حاصل ہو۔ عالم اسلام میں سیّدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام ائمہ مجتہدین پر فوقیت کیوں حاصل ہے۔ صرف اس لیے کہ آپ بہ نسبت دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احادیث کے اسرار و رموز جاننے اور سمجھنے میں عدیم النظیر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا۔

"کہ" فقہ میں تمام فقہا امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔"[1]

اعلیٰ حضرت کے بچپن کا ایک واقعہ قابلِ غور ہے کہ ایک بار استاذِ مشفق بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک طالب علم نے آکر "السلام علیکم" کہا۔ استاد نے جواب دیا "جیتے رہو!" اعلیٰ حضرت نے برجستہ کہا: "حضرت! یہ تو جواب نہ ہوا۔ آپ بھی جواباً سلامتی بھیجتے۔" مولوی صاحب نے فوراً کہا: "وعلیکم السلام!"[2] اور آپ کی بروقت تنبیہ پر دعائیں دیں۔

اعلیٰ حضرت کا یہ کمال حیران کن ہے۔ مگر آج بڑی بڑی پھڑکے دار تقریریں اور وعظ و نصائح کرنے والے اکثر علما کو بھی علم نہیں کہ "السلام علیکم" کے جواب میں "وعلیکم السلام" کی بجائے دوسرا لفظ بول دیا جائے تو سلام کا جواب نہیں ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے بچپن ہی میں مسئلہ کی حقیقت بتا دی۔ اور حدیث[3] کا مضمون بھی سنا دیا۔ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ کیفیت ہے تو ان کے نائب میں حدیث دانی کا یہ جوہر کیوں نہ ہو کہ زمانۂ طفولیت ہی سے آثار حدیث دانی نمودار ہونے لگے۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر عرض کر دیا ہے۔ اندازہ فرمائیے کہ جس بندۂ خدا کا عالمِ طفولیت میں حدیث دانی کا یہ عالم ہو تو سن رشد اور زمانۂ مجددیت میں کیا رنگ ہوگا؟ چنانچہ اس کا مختصر سا خاکہ ابھی آپ کے سامنے آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

---

[1] کذا فی کتب السوانح للامام الاعظم
[2] "مولانا احمد رضا خاں" مطبوعہ فیروز سنز لاہور ص۹ و ملخصاً از حیات اعلیٰحضرت۔
[3] کذا فی کتب الحدیث۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی دارالعلوم یا یونیورسٹی میں داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے گھر پر ہی علوم وفنون حاصل کئے۔ اسی طرح حدیث کی سند بھی پہلے آپ نے اپنے والد ماجد سے پھر اپنے پیر و مرشد سیدنا آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مزید براں دیار عرب میں جاکر کئی ایک بزرگان دین سے بھی سندات حاصل کیں، جن کا ذکر موصوف نے اپنی تصنیف "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ" میں مفصل طور پر کیا ہے۔[1]

۱۔ حاشیہ صحیح بخاری شریف عربی
۲۔ حاشیہ صحیح مسلم شریف عربی
۳۔ حاشیہ ترمذی شریف عربی
۴۔ حاشیہ نسائی شریف عربی
۵۔ حاشیہ ابن ماجہ شریف عربی
۶۔ حاشیہ مسند امام اعظم عربی
۷۔ حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر عربی
۸۔ حاشیہ تقریب عربی
۹۔ حاشیہ تہذیب عربی
۱۰۔ حاشیہ کتاب الحجج عربی
۱۱۔ حاشیہ کتاب الآثار عربی
۱۲۔ حاشیہ طحاوی شریف عربی
۱۳۔ حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل عربی
۱۴۔ حاشیہ سنن دارمی شریف
۱۵۔ حاشیہ خصائص کبری عربی
۱۶۔ حاشیہ کنز العمال عربی
۱۷۔ حاشیہ ترغیب و ترہیب عربی
۱۸۔ حاشیہ کتاب الاسماء والصفات عربی
۱۹۔ حاشیہ القول البدیع عربی
۲۰۔ حاشیہ نیل الاوطار عربی
۲۱۔ حاشیہ المقاصد الحسنہ عربی
۲۲۔ حاشیہ اللآلی المصنوعہ عربی
۲۳۔ حاشیہ موضوعات کبیر عربی
۲۴۔ حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ عربی
۲۵۔ حاشیہ تذکرۃ الحفاظ عربی
۲۶۔ حاشیہ عمدۃ القاری عربی
۲۷۔ حاشیہ فتح الباری عربی
۲۸۔ حاشیہ ارشاد الساری عربی
۲۹۔ حاشیہ نصب الرایہ عربی
۳۰۔ حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل عربی

---

[1] سوانح امام احمد رضا ص۳۲ تا ص۳۵

۳۰- حاشیہ فیض القدیر شرح جامع صغیر عربی

۳۱- حاشیہ مرقاۃ المفاتیح عربی

۳۲- حاشیہ اشعۃ اللمعات عربی

۳۴- حاشیہ مجمع بحار الانوار عربی

۳۵- حاشیہ فتح المغیث عربی

۳۶- حاشیہ میزان الاعتدال عربی

۳۷- حاشیہ العلل المتناہیہ عربی

۳۸- حاشیہ تہذیب التہذیب

۳۹- حاشیہ خلاصۃ تہذیب الکمال عربی

۴۰- حاشیہ الکشف عن تجاوز ہذہ الامۃ عن الالف للسیوطی

۴۱- النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب

۴۲- مدارج طبقات الحدیث عربی

۴۳- الروض البہیج فی آداب التخریج عربی

۴۴- منیر العین فی تقبیل الابہامین

۴۵- الہاد الکاف فی حکم الضعاف

۴۶- الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ اردو

۴۷- حاشیہ شرح للملا علی القاری عربی

۴۸- نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیئ

۴۹- قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام

۵۰- ہدی الحیران فی نفی الفیئ عن شمس الاکوان

۵۱- السمع والطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ

۵۲- تلالؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک

۵۳- القیام المسعود بتنقیح المقام المحمود

۵۴- اجلال جبریل بجعلہ خادما للمحبوب الجلیل

۵۵- اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین

۵۶- البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص

۵۷- تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین

۵۸- سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ

۵۹- حیات الموات فی سماع الاموات

۶۰- نور عینی فی الانتصار للامام العینی

۶۱- وجد المشوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق

۶۲- العروس الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الاسماء الحسنیٰ عربی و اردو

۶۳- ابناء الحذاق بمسالک النفاق اردو

۶۴- اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد

۶۵- الہدایۃ المبارکہ فی خلق الملائکہ

۶۶- العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار

۶۷- الفضل الموجبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی

نوٹ: یہ آخری دونوں تصانیف علیحدہ علیحدہ ہیں۔ صاحب تذکرہ علمائے ہند[۱] کو سہو ہوا انہوں نے ان کو ایک تصنیف

[۱] مولوی رحمان علی صاحب مرحوم

۶۸۔ شمول الاسلام لآباء الرسول الکرام
۶۹۔ اجمال التاج فی بیان الصلوۃ قبل المعراج
۷۰۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ
۷۱۔ مالی الجیب بعلوم الغیب
۷۲۔ المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ
۷۳۔ منبہ المنیہ لوصول الحبیب الی العرش والرؤیہ
۷۴۔ اتیان الارواح لدیارھم بعد الرواح
۷۵۔ جمع القرآن و بم عزوہ لعثمان
۷۶۔ الاجازات الرضویہ لمبجل مکۃ البہیۃ
۷۷۔ الاجازات المتینہ لعلماء بکہ والمدینۃ

نوٹ :

ابھی تصانیف احادیث کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ علامہ بہاری کی مرتب کردہ فہرست "المجمل المعدد لتالیفات المجدد"[1] میرے پاس صرف ۱۳۲ تک ہے۔[2] اگر مکمل ہوتی تو مزید تالیفات کے نام معلوم ہوتے۔ مذکورہ تصانیف کو بغور دیکھئے پھر تاریخ کے اوراق گردانیے، آپ کو متقدمین و متاخرین، ائمہ و علماء و فضلاء حضرات میں سے اتنا کثیر التصانیف علامہ کہیں نہیں ملے گا۔ خطۂ پاک و ہند کو بڑے بڑے محدثین کی عظیم شخصیات پر ناز ہوگا مگر سرزمین پاک و ہند کو جو ذات حق سے ایک عدیم النظیر و فقید المثال تحفہ نصیب ہوا، وہ اعلیٰ حضرت کی ذات بابرکات ہے۔ چنانچہ اقلیم ہند کے مؤلفین کی تصانیف کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات کی جملہ تصانیف ہمارے ممدوح کی صرف فن حدیث و فقہ کی تعداد تک نہیں پہنچ سکتیں۔

---

[1] المجمل المعدد لتالیفات المجدد

[2] حضرت مصنف نے جس وقت یہ مقالہ سپرد قلم کیا، اس وقت تک المجمل المعدد رسالہ نایاب تھا۔ بعد ازاں مرکزی مجلس رضا لاہور اسے تیسری بار شائع کر چکی ہے۔ مگر اب المیزان بمبئی کے امام احمد رضا نمبر اور انوار رضا شائع کردہ شرکت حنفیہ لاہور میں تصانیف اعلیٰ حضرت کی ایک طویل فہرست شامل ہے جو علامہ بہاری کی المجمل المعدد سے دوگنی ہے اور ہنوز نامکمل۔ (ادارہ)

ہم نہایت فخر و مباہات سے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارے ممدوح کی ہر تصنیف اپنی نظیر آپ ہے۔ ان میں مواد نہ تو مستعار ہے اور نہ سرقہ، بلکہ مصنف موصوف کے اپنے افادات و افاضات ہیں۔ آپ کے جملہ حواشی کو مستقل تصنیف کہنا کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔ مقام تاسف ہے کہ اعلیٰ حضرت کے یہ علمی ذخائر زیادہ تر مسودات کی شکل میں ہیں۔ ان قلمی نوادر کے مطالعہ و استفادہ سے تمام عالم اسلام یکسر محروم ہے۔ کاش! آج یہ مواد طباعت پذیر ہوگیا ہوتا، تو ہم اپنے امام کی یہ ایمان افروز تصانیف دنیائے علوم و فنون میں پیش کر سکتے۔ جس سے ہمارا دعویٰ معقول و مدلل ثابت ہوتا۔

اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تصانیف نمبر ۴۳ تک توالیس ہیں جن پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے بعد کی تصانیف کی تفصیل ضروری ہے:

۴۴۔ "النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب"

عربی زبان میں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہٗ نے فضائل علم کی روشنی میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کی شرح آپ ہی نے تحریر فرمائی۔ اس میں انہوں نے حدیث کے قواعد و ضوابط، احادیث کی کتب اور حدیث کے فرق مراتب پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۳ھ میں تصنیف ہوئی لیکن ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔[1]

۴۵۔ "الروض البہیج فی آداب التخریج"

عربی زبان میں ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عالم دین کو حدیث کی تخریج میں کس کس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ کتاب مسودہ کی شکل میں غیر مطبوعہ ہے۔[2]

۴۶۔ "الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ" (رضی اللہ عنہ)

عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہے۔ اس رسالہ میں آپ نے وہ احادیث مجتمع کیں جن میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب جلیلہ کا ثبوت ہے۔

---

[1] المجمل المعدد۔ [2] ایضاً

۱۳۱۳ھ میں تصنیف ہوا اور غیر مطبوعہ ہے۔

۴۹: مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح شفاء

اس پر حاشیہ عربی زبان میں ہے، لیکن غیر مطبوعہ ہے۔

۵۰: ہدی الحیران فی نفی الفئ عن شمس الاکوان

فارسی میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ ثابت کرنے والوں کی محدثانہ رنگ میں تردید کی ہے، لیکن غیر مطبوعہ[۲] ہے۔

یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں لکھا گیا۔

۵۱: السمع والطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ

احادیث شفاعت کی تحقیق ہے، لیکن غیر مطبوعہ[۳] ہے۔

۵۲: تلألؤ الافلاک لجلال حدیث لولاک

عربی اور اردو میں ہے منکرین شان رسالت کا حدیث لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" پر جو الزام ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قلم نے متعدد اسناد سے ثابت فرمایا ہے کہ یہ حدیث کئی ایک سندات سے صحیح ہے۔ ۱۳۰۵ھ کی یہ تصنیف لطیف ابھی تک طبع[۴] نہیں ہو سکی۔

۵۳: اجلال جبریل بجعلہ خادماً للمحبوب الجمیل

اردو زبان میں نہایت محققانہ و محدثانہ رنگ میں ثبوت دیا گیا ہے کہ ع

جبریل بھی ہے خادم و دربانِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اس منصب جلیلہ پر سیدنا جبریل علیہ السلام کو بڑا ناز ہے۔ ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے، لیکن غیر مطبوعہ[۵] ہے۔

---

[۱] المجمل المعدد [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ایضاً

۵۵ : اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (اُردو و عربی)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اثبات میں چالیس احادیث کا مجموعہ ۱۳۰۵ھ میں تصنیف ہوا اور متعدد مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۵۶۔ البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص

خصائص مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق احادیث پر وہابیہ۔ نجدیہ عام طور پر ضعیف یا موضوع ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں چنانچہ حال ہی میں "خصائص کبریٰ" مصری خط پر تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ حاشیہ پر ایک بدبخت نے اس کی اکثر احادیث کو ضعیف اور موضوع ٹھہرایا ہوا ہے۔ اس حاشیہ میں اُصول حدیث کے طرز پر محققانہ و محدثانہ کلام ہے۔ یہ مجموعہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ کاش! اعلیٰ حضرت کا یہ حاشیہ مع اصل کتاب شائع ہو جاتا تو مذکورہ مطبوعہ کتاب خصائص کبریٰ کے محشی کے ڈھول کا پول کھل جاتا۔

۵۸ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ

اُردو زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے پر دلائل قاطعہ کا مجموعہ۔ ۱۲۹۷ھ میں تصنیف ہوا معلوم نہیں طبع ہوا ہے یا نہیں؟

۶۰۔ نور عینی فی الانتصار للامام العینی

امام عینی شارح بخاری پر کسی منہ پھٹ نے اعتراضات کئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے اعتراضوں کے وہ دندان شکن جواب اور جواب الجواب دیئے۔ اور پھر معترض کے اعتراضات میں متعدد جہالتیں ثابت فرمائیں۔ عربی زبان میں لکھا ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔

۶۱۔ وجد المشوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق

اُردو زبان میں ہے۔ اس بات پر مدلل مجموعہ کہ صدہا احادیث میں شیخین کے اسماء گرامی

---

[1] المجمل المعدد [2] ایضاً [3] ایضاً

آئے ہیں۔ ۱۲۹۰ھ میں تالیف ہوا اور غیر مطبوعہ ہے۔[1]

۶۲: العروس الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الاسماء الحسنیٰ

عربی و اردو زبان میں ہے۔ جس میں اعلیٰ حضرت نے ثابت فرمایا ہے کہ احادیث میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے اقدس و اطہر ہزار سے بھی زائد ہیں۔ ۱۳۰۶ھ میں تالیف ہوا اور غیر مطبوعہ ہے۔

۶۳: ابناء الحذاق بمسالک النفاق

اردو زبان میں ہے جس میں بتایا ہے کہ اعتقادی اور عملی نفاق کیا ہے۔ اور ان میں فرق کیا ہے با احادیث کثیرہ سے ثبوت۔ ۱۳۰۹ھ میں تالیف ہوا اور غیر مطبوعہ ہے۔[2]

۶۴: جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج

عربی و اردو میں ہے۔ اس میں بڑے زور دار دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے قبل کس طرح نماز ادا کرتے تھے اور نماز کا حکم کیسے تھا۔ ۱۳۱۶ھ میں تالیف ہوا۔[3]

۶۵: مالی الجیب بعلوم الغیب

عربی و اردو میں ہے بمسئلہ علم غیب کے متعلق بے شمار احادیث وغیرہ کا ذخیرہ۔ ۱۳۱۸ھ میں تالیف ہوا اور غیر مطبوعہ ہے۔[4]

۶۶: "الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ"

عربی زبان میں ہے اور شائع ہو چکا ہے۔.......... اس میں اعلیٰ حضرت سے جن علماء و فضلائے مکہ مکرمہ نے احادیث کی اجازتیں طلب کیں اور آپ نے انہیں اجازت احادیث سے نوازا، اس کا مفصل بیان ہے۔ ۱۳۲۳ھ کی تالیف ہے۔[5]

---

[1] المجمل المعدد [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً

۷- الاجازات المتینہ علماء بکۃ والمدینہ"

عربی زبان میں ہے۔ اس میں ان اسانید کا تذکرہ ہے۔ جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حرمین شریفین اور دیگر بلاد کے اجلہ علماء و مشائخ کو عنایت فرمائیں۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے

مجھے اس کا علم اپنی سندِ حدیث سے ہوا جو سیدی و سندی و مولائی علامہ سردار احمد صاحب قدس سرہٗ سے عطا ہوئی۔ اور جو کتب کو فقیر غیر مطبوع لکھتا رہا ہے۔ یہ حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین بہاری مرحوم کے رسالہ "المجمل المعدد" سے لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کی اس تصنیف ۱۳۲۷ھ کے بعد مذکورہ کتب و رسائل سے کوئی کتاب یا رسالہ شائع ہو چکا ہو، لیکن فقیر کے پاس موجود نہیں ان کی تفصیل بحیثیت فنِ حدیث حاضر ہے۔ تفصیل عرض کرنے سے قبل اعلیٰ حضرت کی ذہانت اور حفظِ عبارات و مطالعہ کتبِ احادیث کا اندازہ اس سے کیجئے۔ جیسا کہ حضرت محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں فقہ کی ماخذ ہیں ہر وقت اعلیٰ حضرت کے پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے ہر وقت از بر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے۔ اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب و تذہیب میں وہی الفاظ مل جاتے تھے۔ اسے کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغفِ کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت یہی وجہ تھی کہ علوم الحدیث و اسماء الرجال کے ہزاروں لاینحل اور پیچیدہ مسائل کو اپنی تصانیف میں آسان سے آسان طریقہ سے سمجھایا۔ چنانچہ تصانیف اعلیٰ حضرت سے چند ایک[1] ایسے مسائل ملاحظہ ہوں۔

---

[1] مجدد اسلام (سوانح اعلیٰ حضرت) از نسیم بستوی

اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

یہ مسئلہ اگرچہ فقہ کی جزئیات سے ہے، لیکن چونکہ فقہا اسے استحباب کا حکم دے کر حدیث کے متعلق "لم یصح" کا حکم لگا دیتے تھے جس سے مخالفینِ شانِ رسالت کو موقع مل جاتا اور اس مسئلہ کو نہ صرف عدمِ جواز کی صف میں رکھنے لگتے، بلکہ بدعت جیسا قبیح لیبل اس پر لگا دیا جاتا، لیکن قلم کے دھنی اور عاشقِ رسالت مآب نے قلم اٹھایا تو احادیث کے ہمراہ قواعد و ضوابط سے مسئلہ کی حقیقت کو ایسا واضح اور صاف فرما دیا کہ ضدی ہٹ دھرم کے سوا کسی صاحبِ انصاف کے لیے انکار کی گنجائش تک نہیں چھوڑی۔ اس مبارک تحریر کا تاریخی نام "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ہے، جو فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں ہے۔ یہ معرکہ آرا رسالہ حضرت علامہ سید ابوالبرکات مدظلہ نے علیحدہ بھی شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں جو قوانین و ضوابط بیان فرمائے ہیں، ملاحظہ ہوں:

۱۔ نفیٔ صحت نفیٔ حسن کو مستلزم نہیں۔

۲۔ کثرتِ طرق سے حدیث کا ضعف رفع ہو جاتا ہے اور وہ حسن کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔

۳۔ عملِ علماء و قبولِ قدماء بھی حدیث کو ضعف سے ہٹا کر قوی کر دیتا ہے۔

۴۔ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف بالاجماع مقبول ہوتی ہے۔

۵۔ جس روایت کو اکابر و اسلاف بلا نکیر نقل کرتے چلے آئیں، وہ بھی قابلِ عمل ہوتی ہے۔

۶۔ اکابر و اسلاف کے مجربات کے لیے نقل اور سند کی ضرورت ہی نہیں۔

۷۔ جو عمل کسی سنتِ ثابتہ کے خلاف نہ ہو وہ بھی شرعاً معمول ہوتا ہے۔

۸۔ شرعاً سند نہ ہو تو بھی اس عمل کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کے خلاف حکمِ صریح نہ ہو۔

۹۔ احادیث کو لایصح کہہ دینا احادیثِ مرفوعہ تک محدود ہے، ورنہ احادیثِ موقوفہ

کو بھی "لا یصح" نہیں کہا جاتا۔

۱۰۔ حدیث تقبیل الابہامین موقوف ہے۔ کما صرح علی القاری رحمۃ اللہ علیہ

اسی طرح کے سیکڑوں قواعد و ضوابط کتاب میں موجود ہیں پھر انہیں سیکڑوں کتب معتبرہ و معتمدہ کے حوالہ جات سے مزین فرمایا اور عقلی دلائل ایسے حسین پیرایہ میں دیئے کہ مخالف ذرا بھی انصاف سے کام لے تو وہ اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

ایک جگہ مخالفین کے ایک بھاری اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے قواعد و ضوابط کی بھرمار فرمائی۔ مثلاً:

۱۱۔ کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر انداز ہے۔ تو صرف اس قدر کہ اسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل و موضوع۔

۱۲۔ بلکہ علماء کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت و مانع حجت بھی ہے یا نہیں؟ تفصیل مقام یہ ہے کہ

۱۳۔ مجہول کی تین قسمیں ہیں،

ا: مستورہ: جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں۔ اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

ب: مجہول العین: جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

ج: مجہول الحال: جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ نہیں۔

ان قوانین کو اعلیٰ حضرت نے بے شمار کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے اور پھر ان کے متعلق بلحاظ فن حدیث جو جو احکام و مسائل ہیں، نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور ان احکام کے متعلق جتنے اعتراضات ممکن ہیں وارد کر کے بڑے تسلی بخش جوابات سے مطمئن فرمایا۔ آگے چل کر "افادہ سوم" کے عنوان سے مخالفین کے اس اعتراض کے جوابات دیئے کہ

"انگوٹھے چومنے والی روایات" منقطع ہیں۔ اس کے جواب میں درج ذیل قواعد ارشاد فرمائے:

ا۔ سند کا انقطاع مستلزم اس بات کا نہیں کہ وہ حدیث موضوع ہو۔

ب۔ حدیث منقطع حدیث مرسل کی طرح ہے۔

ج۔ منقطع پر فضائل میں عمل کرنا صحیح علیہ ہے۔ کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔

د۔ حدیث کی سند مضطرب یا منکر ہو جائے تو بھی وہ حدیث موضوع نہیں ہوتی۔

ھ۔ مجہول راوی سے بھی حدیث موضوع نہیں بن جاتی۔

و۔ شاید مجہول راوی ثقہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کی روایت بھی مردود نہیں اس پر بیشتر حوالہ جات لکھے۔

ز۔ طعن کی دس اقسام گنوائیں اور اس کی تفصیل بتائی۔

ح۔ امام بخاری بھی اگرچہ جسے منکر الحدیث کہدیں، تب بھی اس کی مرویہ حدیث موضوع نہیں ہوتی۔

ط۔ ضعیف احادیث میں سب سے کم درجہ متروک کا ہے، اس کے بعد موضوع کا۔

ی۔ باوجودیکہ متروک کم درجہ کی حدیث ہے، لیکن فضائل عمل میں وہ بھی مقبول۔

اس کے بعد موضوع حدیث اور ضعیف کا موازنہ فرمایا اور دلائل قاہرہ پیش کیے کہ محدثین کے قول "لم یصح" سے حدیث موضوع نہیں جاتی۔ "لان مابینھما بون کبیر" پھر حدیث موضوع کی تعریف فرمائی جس میں پندرہ فوائد و قواعد بتائے اور آخر میں تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ

"یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔"

باوجود ایں ہمہ اس بحرِ زخار کی موجیں یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ سلطانِ اقلیم کا قلم کچھ آگے بھی جانا چاہتا تھا، لیکن اُسے زبردستی روک لیا، ورنہ خدا جانے فوائد و قواعد کا یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوتا۔

ان قواعد کے بعد موضوع حدیث کو پرکھنے کے تین فائدے بتلائے اور ثابت فرمایا کہ اگرچہ کوئی محدّث کسی حدیث کو موضوع کہہ دے، تب بھی ضروری نہیں کہ اس کا مضمون بھی وضع کردہ ہو۔ ان ابحاث کے علاوہ کتاب کی ایک ایک سطر کئی کئی قواعد و ضوابط اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ غرضیکہ صرف اس کتاب کے مطالعہ سے بے شمار کتب اصول کی ورق گردانی سے نجات مل جاتی ہے۔ نیز اس موضوع پر ایک دوسرا رسالہ "منیر السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامہ" تحریر فرمایا جس میں ثابت فرمایا کہ: "اقامت نماز کے وقت بھی تقبیل ابہامین مستحب ہے۔ یہ رسالہ "فتاویٰ رضویہ" جلد دوم میں شامل ہے اور کئی ناشروں نے اسے علیحدہ بھی شائع کیا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اصولِ حدیث کے تین فوائد تحریر فرمائے اور ہر فائدہ و ضابطہ میں اصولِ حدیث کی بڑی مبسوط کتب کا خلاصہ کر کے علوم و فنون کے دریا کوزے میں بند کر دیئے اور ایسے لاینحل اور پیچیدہ مسائل حل فرمائے کہ بڑے بڑے علماء مدت العمر کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے باوجود بھی انہیں نہیں سمجھ سکتے۔ پھر اسی موضوع کی توثیق کے لیے ایک مستقل تصنیف لطیف موسوم بہ "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" تحریر فرمائی جس میں بے شمار احادیث کی تحقیق ہے کہ کون کون سی احادیث ضعیف ہیں اور کس مقام پر ان کا استدلال جائز ہے اور کس مقام پر جائز نہیں۔ یہ کتاب تصنیف فرما کر آپ نے اساتذہ حدیث کو صدہا کتب احادیث کی ورق گردانی سے نجات دلائی اور بے شمار اصول و ضوابط حدیث سمجھا دیئے۔

۱۳۰۵ھ میں کسی گستاخ نے اس فاسد عقیدہ کی اشاعت کی کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین نہیں ہیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے اپنے استاد مکرم مرزا غلام قادر بیگ مرحوم کے استفتاء پر ایک مبسوط کتاب "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" تحریر فرمائی جس کے ۸۶ صفحات ہیں۔ اس میں قرآنی آیات کے بعد ستّرہ (۱۷) احادیث قدسیہ اور ایک سو (۱۰۰) سے زائد احادیث صحیحہ جمع کیں اور ایسی نایاب کتب کے حوالہ جات

درج فرمائے، جن کے تمام سُن کر مخالفین کے دماغ ٹھکانے جا لگے اور ان پر ایسا سکوت طاری ہوا کہ جو اب تک ذہن پر ہے۔ مبحث دعا پر آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام "احسن الوعاء لآداب الدعاء" ہے۔ جس میں انہوں نے آداب دُعا کی ہدایات جمع فرمائیں۔ آپ کے فرزند اکبر اور خوش بخت صاحبزادے (امام احمد رضا) نے شرح کے لیے قلم اٹھا کر ہر ادب کو متعدد احادیث سے ثابت فرمایا اور ساتھ ہی ہر حدیث کی سند بیان (فرمائی) اصل رسالہ کا عدد آداب اکاون پر جا کر رُکے لیکن فاضل شارح نے ساٹھ تک پہنچائے ممکن ہے کہ رہوار قلم اور بھی آگے نکل جاتا لیکن زمامِ ادب نے اُسے روک کے رکھا اور پھر والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اجابت کے اوقات بیان فرمائے تو شارح قدس سرہٗ العزیز نے تمام اوقات کے دلائل احادیث صحیحہ سے ثابت فرمائے۔ والد مرحوم نے چھتیس کی گنتی کے بعد غیرہا کا اشارہ فرما کر تھا یا صاحبزادے کے ذمے لگائے جس پر فاضل علامہ نے چھیالیس کے عدد پر پہنچ کر قلم کو روک دیا کہیں شوخئ ادب پر محمول نہ ہو۔ ورنہ علم کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارتا ہوا نامعلوم اس گنتی کو کہاں تک پہنچاتا؟ پھر ماتن مرحوم نے اماکنِ اجابت کی گنتی تینتیس تک رقم کی لیکن شارح کے قلم نے چالیس کی تعداد تک رسائی کی اور ہر ایک ایک عدد کو احادیث صحیحہ سے ثابت فرمایا۔ آگے ماتن مرحوم نے اسم اعظم کے نو کلمات لکھے لیکن شارح کے قلم نے بیس تحریر کیے اور ہر ایک اسم اعظم کی سند، صحیح حدیث سے بتائی۔ فصل ششم میں ماتن مرحوم نے دُعا کی عدم قبولیت کے نو سبب بتائے، لیکن شارح علیہ الرحمۃ کے قلم سے دس کا بیان زائد ہوا اور ہر ایک کا ماخذ، احادیث صحیحہ سے ثابت کیا۔ فصل ہفتم میں فاضل علامہ نے ان چیزوں کا ذکر رقم کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے دُعاؤں میں نہ مانگی جائیں، لیکن ان کی کل تعداد صرف بارہ بتائی۔ شارح قدس سرہٗ نے تین کا اضافہ فرمایا اور ہر ایک کو احادیث کی روشنی سے منور کیا۔ فصل ہشتم میں ان لوگوں کا ذکر ہے، جن کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اصل کتاب میں ان کی گنتی آٹھ ہے شارح قدس سرہٗ نے انیس تک پہنچا دی اور طریقہ وہی کہ احادیث مقدسہ کی اسناد ساتھ ہی لکھیں۔

غرضیکہ "احسن الوعاء" کے متن کی "ذیل المدعا" کے نام سے شرح لکھ کر فنِ حدیث کا ایک ایسا پہلو روشن فرمایا کہ متقدمین کی تصانیف میں بھی یکجا ملنا محال ہے۔ پھر احادیث آمین کی تحقیق ایسی شرح وبسط سے بیان فرمائی کہ صدہا کتب کی ورق گردانی پر بھی کسی کو نصیب نہ ہو۔ یہ کتاب پورے سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کو دفناتے ہوئے "جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ" کے نام سے یک صد صفحات کی کتاب تحریر فرمائی جس میں علاوہ دیگر دلائل کے ایک سو اکیس احادیث صحیحہ نقل فرما کر آخر میں فرمایا کہ بحمدہٖ تعالیٰ بیس احادیث علویہ کے علاوہ خاص مقصود محمود ختم نبوت پر یہ ایک سو ایک احادیث ہیں اور مع تذییلات ایک سو اکیس جن میں نوے مرفوع ہیں اور ان کے رواۃ اصحاب اکثر صحابہ و تابعین، جن میں صرف گیارہ تابعی ......[1] باقی ساٹھ صحابی، ازاں جملہ اکاون صحابہ خاص اصول مرویات میں[2] ...... نو صحابی تذییلات میں[3] ...... ان احادیث کثیرہ وافرہ شہیرہ متواترہ میں صرف گیارہ حدیثیں وہ ہیں جن میں فقط "ختم نبوت" کا انہیں الفاظ موجودہ قرآن عظیم سے ذکر ہے۔ الخ

اس مختصر تقسیم کتاب سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا "تبحر فی فن الحدیث" ان حضرات کو محسوس ہوگا جنہیں اسماء الرجال کے فن سے سابقہ پڑا ہے کہ بڑے بڑے محدث اتنی کثیر التعداد احادیث کے رواۃ کی تحقیق میں جگہ جگہ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم حقائق رقم پر قربان کہ انگلیوں پر احادیث کے درجات بھی گن سنانے اور رواۃ میں صحابیت و تابعیت کی صف بندی بھی فرما دی اور پھر "اسماء الرجال" جیسے مشکل فن میں بے تعداد نام والے رواۃ میں سے ثقہ وغیر ثقہ کا کھوج نکالنا بہت ہی کٹھن مرحلہ سمجھا جاتا ہے، لیکن علم وفضل کے بادشاہ نے آنکھ بند کر کے چند منٹوں میں تمام مراحل طے فرما دیئے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے معاصرین نے احادیث میں آپ کے علمی تبحر کو بار بار آزمایا۔

---

[1] [2] [3] یہاں پر ان حضرات کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ۱۲ منہ

جب آزما چکے تو انہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت وفضیلت کا قائل ہونا ہی پڑا۔ کاش! کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات ہوتے تو ہمارے امام کے علمی تبحر کو دیکھ کر ان کے قلم حقائق رقم کو فرط مسرت سے چوم لیتے۔

مجھے اعلیٰ حضرت کی اس شرح پر دوسرے طریقے سے بھی تعجب ہے کہ وہ اس طرح کہ کتاب لکھ لینا تو آسان بات ہے، لیکن کتاب کے ماخذ اور پھر اس کی عبارات کے در جات یاد رکھنا کوئی معمولی بات نہیں، لیکن یہ ہمارے مجدد قدس سرہ العزیز ہی کا حصہ ہے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں اور پھر نہ صرف اپنی ان کتب کے مضامین ازبر ہیں بلکہ کتاب مکتوبہ کے تمام ماخذ کی عبارات بقید قرطاس وکتب نوک زبان ہیں اور آپ کے لیے یہ معمولی بات تھی۔ لیکن دوسرے اہل علم وکمال کے لیے یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی اپنا ایک تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ "مجھے اپنی یہ شرارت اچھی طرح یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتلاتے اور مزید حوالے عطا فرماتے مع صفحہ وسطر وعبارات نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ ونقطہ کی بھول ہو جائے مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں چونکہ میں نے حساب کی تعلیم سکولی طور پر پائی تھی۔ لہٰذا فرائض حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور ایسے استفتاء میرے سپرد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے مورث اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں ورثا ہوں گے۔ مجھ کو اس کے جواب میں دو رات اور ایک دن مسلسل محنت کرنی پڑی اور آدھا پانی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلم بند کر دیا۔ نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں۔ وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اور فلاں کو وارث چھوڑا۔ پھر فلاں مرا اور اس نے اتنے وارث چھوڑے۔ اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ فل سکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ جب استفتاء میں پڑھ رہا تھا، تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت کی آنکھیں

حرکت میں ہیں۔ ادھر استفتاء ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا دیا۔ ورثیوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران وششدر کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا۔ ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلم بند کیا۔ لیکن مجھ سے صرف سب الاحیاء "زندہ ورثاء کا نام" کوئی پوچھے تو بغیر جواب کو دیکھے نہیں بتا سکتا۔ یہ کیا تبحر، کیا وسعت مدارک، توبہ، توبہ! یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا تو ورثاء کا ایک ایک نام یاد رہا اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کرکے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو۔"

ناظرین اور خود صاحب واقعہ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس کمال کو تعجب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کمالات کے سامنے یہ واقعہ نہایت معمولی ہے۔ قابل داد آپ کے خطوط و فتاویٰ نویسی کے واقعات ہیں۔ جہاں متعدد کاتبین سامنے بیٹھے لکھ رہے ہیں اور اعلیٰ حضرت باری باری ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر پورے مطالب بھی لکھاتے جاتے ہیں اور حوالہ جات سے بھی نوازتے جاتے ہیں چنانچہ مولوی محمد حسین میرٹھی مرحوم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ میرٹھ سے بریلی گیا۔ معلوم ہوا کہ طبیعت ناساز ہے۔ ڈاکٹروں نے ملنے اور باتیں کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس وجہ سے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں مقیم ہیں اور وہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے، مگر چونکہ مجھ سے لوگ واقف تھے، مجھے پتہ بتا دیا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ کوٹھی کا دروازہ بند ہے۔ دستک دینے پر ایک صاحب آئے اور نام پوچھ کر اندر اطلاع کو گئے۔ وہاں سے اجازت ملی۔ تب آکر دروازہ کھولا۔ دیکھا بڑا مکان ہے اور صرف ایک دو آدمی ہیں۔ نماز مغرب پڑھ کر حضرت اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے۔ ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھے۔ بعد چار اصحاب پہنچے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں، صدر الشریعت مولانا امجد علی صاحب، مولانا حشمت علی خاں صاحب، ایک اور کوئی صاحب۔ یہ چاروں

۱؎ مجدد اسلام اسوانح اعلیٰ حضرت انسیم بستوی

صاحبان حضرت کے پلنگ کے پاس جا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گڈی خطوط کی مولانا امجد علی صاحب کو دیتے ہوئے فرمایا "آج تیس خط آئے تھے۔ ایک میں نے کھول لیا ہے یا تیس گن لیجئے۔ انہوں نے انتیس گن کر ایک لفافہ کھولا جس میں چند اوراق پر چند سوالات تھے وہ سب سنائے۔ حضرت نے پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرما دیا۔ وہ لکھنے لگے اور لکھ کر عرض کی "حضور!" حضرت نے اس کے آگے کا ایک فقرہ فرمایا۔ وہ لکھ کر پھر حضور کہتے، تو سلسلہ وار اس کے آگے کا جملہ فرما دیا کرتے اور دوسرے صاحب نے "حضور" کہنے کے درمیان میں اپنا خط سنانا شروع کیا جب یہ "حضور" کہتے، وہ رک جاتے اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنا خط ختم کیا۔ اور ان کو بھی ان کے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا وہ ارشاد فرما دیا۔ اب دونوں صاحب اپنا اپنا فقرہ ختم کرنے کے بعد حضور کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کرتے۔ اسی حالت میں ان "حضور! حضور!" سے جتنا وقت بچتا، اس میں تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کیا اور اسی طرح ختم کر کے جواب لکھنا شروع کیا۔ اب چوتھے صاحب نے ان تینوں "حضور! حضور! حضور!!!" کے درمیان جو وقت بچتا اپنا خط سنانا شروع کیا اور اسی طرح ختم کر کے شروع کیا۔ غرضیکہ یونہی وہ انتیس خط پورے کیے[1]۔ اسی طرح چند واقعات فقیر کے مضمون "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسی قوت حافظہ اور جودت طبع کی برکت تھی کہ دیار عرب کے بڑے بڑے فقہاء و محدثین نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر دیئے، جس کی تفصیل آ رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ!

اب سردست اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حافظہ کی داد، دو بزرگوں سے سنیئے:

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حج کی سرگزشت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بعد فراغ مناسک، کتب خانہ حرم محترم کی حاضری کا شغل رہا۔۔۔۔۔۔ محافظ کتب حرم ایک وجیہہ

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت ص۱۱۳ و ص۲۰۳ [2] اویسی غفرلہ

جلیل، عالم نبیل مولانا سید اسماعیل تھے۔ حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں مطالعہ کے لیے نکلوائیں۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا۔ قبل زوال رمی جائز ہے یا نا جائز؟ کسی مولانا نے فرمایا کہ یہاں کے علماء نے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ حامد رضا خان سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی مجھ سے استفسار ہوا۔ میں نے کہا "خلاف مذہب ہے"۔ مولانا سید صاحب نے ایک متداول کتاب کا نام لیا کہ اس میں جواز کو علیہ الفتویٰ لکھا ہے۔ میں نے کہا ممکن ہے کہ روایت جواز ہو مگر وعلیہ الفتویٰ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ کتاب لے آئے۔ مسئلہ نکالا اور اسی صورت سے نکلا جو فقیر نے گزارش کی تھی۔ یعنی اس میں وعلیہ الفتویٰ کا لفظ نہ تھا۔ حضرت مولانا نے حامد رضا خان سے کان میں جھک کر پوچھا کہ "یہ کون ہیں"؟ وہ حامد رضا خان کو بھی نہ جانتے تھے۔ . . . . . انہوں نے میرا نام لیا۔ سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے اور اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے شیدائی ہو گئے۔ آپ کے قیام مکہ معظمہ کے دوران روزانہ حاضری دیتے اور صرف اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے ۱۳۲۸ھ میں بریلی شریف حاضر ہوئے۔[۲]

دوسرا واقعہ بھی خود بیان فرمایا کہ ایک دن میں کتب خانہ میں گیا اور . . . . . ایک صاحب کو دیکھا کہ میرے رسالہ "کفل الفقیہ" کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں میں نے "فتح القدیر" سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے"۔ پڑھ کر وہ وہیں پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے۔ "این جمال بن عبد الله من هذا النص الصريح"۔ حضرت جمال بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔ ان کا مفصل واقعہ فقیر کے مضمون "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں دیکھیے۔

اس قسم کے ایک نہیں بیسیوں واقعات گزرے اور کبھی کبھار نہیں بلکہ سیکڑوں بار۔ چنانچہ فقیر نے تفصیل کے ساتھ اپنے مضمون "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں لکھ دیئے ہیں۔ ان حقائق کو بیان کرنے سے اعلیٰ حضرت کی ذہانت و حافظہ اور جودت طبع کے واقعات

---

[۱] ملفوظات اعلیٰ حضرت۔ ج ۲۔ ص ۸۔ [۲] سوانح امام احمد رضا ص ۹۴

یکرامات کو اجاگر کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ کی عبارتِ حدیث کو واضح کرنا ہے کہ ہمارے ممدوح صرف احادیث بیان کرنے میں نقل نویس نہیں تھے بلکہ آپ کی جس طرح فقہ کی ہر جزئی صورت پر نگاہ تھی۔ اسی طرح حدیث کی ہر سند اور پھر اس کے ماخذ اور رجال کی جرح و تعدیل پر بھی پورا پورا عبور تھا اور وہ تمام باتیں نوکِ زبان تھیں۔ حافظہ ایسا نہیں تھا کہ اپنے مطالب بیان کرنے میں ایک مقام کو نقل کر دیں اور دوسرے مقامات ذہن سے اتر جائیں۔ یہ بات ان کم علمیت والوں میں پائی جاتی ہے جنہیں حدیث دانی کا دعویٰ تو ہو لیکن علمیت سے قطعی طور پر بے بہرہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مقام پر نہیں سیکڑوں مقامات پر ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی بحث ملاحظہ ہو۔

۱۔ ماہنامہ محدث دہلی[1] ج ۲ بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۷ء کے صفحہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ "یہ حدیث یعنی جس میں رویتِ باری تعالیٰ کا بیان ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"

رأیت ربی فی احسن صورۃ قال فیما یختصم الملاء الاعلیٰ
قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا
بین ثدیی فعلمت ما فی السموٰت والارض وتلا وکذٰلک نری
ابرٰھیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من الموقنین

(مشکوٰۃ۔ جلد اول ص۶۹)

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کو حسین ترین شکل میں دیکھا۔ ارشادِ باری ہوا۔ یہ فرشتے کس بات پر جھگڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ تو سب کچھ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو جان لیا۔ پھر آپ نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔

---

[1] ۔۔۔ غیر مقلدین کا علمی جریدہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے مضامین پر غیر مقلدین کو بڑا ناز تھا

وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض (الآیہ)

"صحیح ،معتبر اور قابلِ احتجاج ہے ہی نہیں بلکہ ضعیف ،مضطرب اور ناقابلِ اعتبار ہے۔"

یہ وہ جسارت ہے کہ "جسے دیکھ کر شرمائیں یہود"۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث کو ضعیف ، مضطرب وغیرہ کہہ دینے کی وہی سزا ہے جو موضوع من گھڑت حدیث بیان کرنے کی ہے۔ یہاں مزید گفتگو کا موقع نہیں۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ مضمون نگار بیچارے نے کانے کی طرح تصویر کا ایک رُخ دیکھا تھا جس سے اُس نے اپنی جرأت کے چند افراد کو تو خوش کر لیا لیکن دوسری طرف اُس نے صحیح حدیث کا انکار کیا۔ علاوہ بریں اپنی جہالت کا ثبوت دیا... س سے شانِ نبوت پر تو کوئی حرف نہیں آیا۔ کیونکہ چاند پر تھوکنے سے چاند کی روشنی میں کمی نہیں آتی۔ البتہ تھوکنے والے کے منہ پر ہی اس کا تھوک گرتا ہے اسی طرح نامہ نگار کے شانِ نبوت پر حملہ کرنے سے شانِ نبوت میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ آسکتی ہے۔ البتہ اُس نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کی فہرست میں اپنا نام درج کروالیا۔ اس کے دو موجب ہیں۔ ایک تو وہی کہ گروہی تعصب میں صحیح حدیث کو ضعیف کہہ دینا اس جماعت کی عموماً طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ اس جماعت کے مولوی ، بے شمار احادیثِ صحاح تک کا انکار کر جاتے ہیں۔ ورنہ ضعیف کہہ دینا تو ان کا عام مشغلہ ہے۔ دوسرے مطالعہ کی کمی یا مطالعہ کے بعد حافظہ کا ضعف ، ورنہ یہ حدیث شریف مشکوٰۃ میں مُرسلاً مروی ہے اور ترمذی شریف میں موجود ہے۔ اور ترمذی شریف میں امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ایک عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے ، دوسرے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے۔ چنانچہ اسی ترمذی شریف ص۱۵۵ ، منہ۲ میں اس کی سند یوں ہے۔

حدثنا محمد بن بشار حدثنا معاذ بن ھشام حدثنی ابی عن قتادۃ عن ابی قلابۃ عن خالد بن اللجلاج

عن ابن عباس اور اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ چنانچہ تمام راویوں کی صحت و اعتماد کے لیے "تقریب التہذیب" کے صفحات ۳۱۴ و ۲۵۵ و "تہذیب التہذیب" جلد ۹ صفحہ ۱۹۶ و "تہذیب التہذیب" جلد ۹ صفحہ ۔۔۔ و "تقریب التہذیب" صفحہ ۳۸ و "تہذیب التہذیب" جلد ۱ صفحہ ۲۰ و "تقریب التہذیب" صفحہ ۳۰ و "تہذیب التہذیب" جلد ۹ صفحہ ۲۵۵ و "تقریب التہذیب" صفحہ ۱۹ و "تہذیب التہذیب" صفحہ ۲۲۵۔ جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ و "تقریب التہذیب" صفحہ ۳۹۱ و "تہذیب التہذیب" جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۹ کا مطالعہ کیجئے۔ پھر اس روایت کی توثیق کے لیے "تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ" صفحہ ۱۲۹ تا صفحہ ۱۳۰ میں عجیب و غریب بحث لکھی ہے۔ لیکن مخالفین تعصب کی پٹی باندھ کر تاروا علیے بے ڈھنگے اعتراض کر دیتے ہیں یا اپنی علمی کم مائگی کے باعث ــــــــ۔ بہر حال احادیث کی روایت اور اسماء الرجال کی بحث کے لیے بے مثال حافظہ کی ضرورت ہے اور وہ ہمارے ممدوح میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، جسے عرب و عجم کے علمائے محققین نے آزمایا اور خوب آزمایا بلکہ ہمارا تجربہ ہے کہ جس نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قلم پر حرف گیری کی اور آپ کو موردِ الزام ٹھہرایا اس کا خاتمہ خراب ہوا۔ زندگی میں وہ علمی دنیا میں ذلیل و رسوا ہوا۔ جیسے بارگاہِ خداوندی سے راندہ درگاہ! چنانچہ ملتان کے دیوبندیوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ذاتِ بابرکات پر ایک دفعہ یوں حملہ کیا۔

رسالہ "الصدیق" کا ایک مضمون نگار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نقل کردہ حدیث مشاورہ نقل کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے۔

"اہل عقل خوب جانتے ہیں کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج و عاجزی پر دلالت کرتا ہے یا کم از کم مشورہ اس واسطے ہوتا ہے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نہ احتیاج و عاجزی کی نسبت درست ہے اور نہ وہاں غلطی کے احتمال کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تاویل یوں کر لی جائے کہ یہ مشورہ عزت افزائی کی خاطر ہے، مگر دوسری طرف بھی اس میں کچھ گفتگو ہو سکتی ہے۔ مثلاً ابن غذیفہ نام کا

کوئی صحابی بھی نہیں ہوا خیر اس بات کو بھی کتابت کی غلطی کہہ کر کاتب کے سر تھوپ دیا جائیگا اور کہا جا سکتا ہے کہ ابنِ حذیفہ نہیں۔ حذیفہ (در حقیقت) تھا مگر اس کو کیا کیجیے کہ مسند احمد صفحہ ۳۸۲ – ۴۰۰ میں اس صحابی کی بہت سی روایات ہیں۔ مگر ایسی جھوٹی روایت کا نام و نشان بھی نہیں۔ ضعیف اور وضعی احادیث بیان کرنا بھی اگرچہ جرم ہے، مگر یہ حدیث وضعی ہے نہ ضعیف۔ بلکہ سرے سے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس جھوٹی حدیث کو مسند احمد میں بتلانے والا ہمارے دوستوں (اہل سنت) کے نزدیک مجدد مائتہ حاضرہ بھی ہے اگر مجدد ایسے ہی ہوتے ہیں تو ہمارا ایسے مجددوں کو دُور ہی سے سلام ہے۔"

(ماہنامہ الصدیق ملتان بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ)

اس رسالے کے جواب میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دام ظلہٗ مہتمم انوار العلوم ملتان نے "مضمون نگار" کی خوب خبر لی اور اپنے رسالہ ماہنامہ "السعید" ملتان میں کئی صفحات پر عالمانہ اور محققانہ طور پر تردید فرمائی۔

دراصل یہ ملتانی مولوی لکیر کے فقیر ہیں۔ انہوں نے از خود نہیں لکھا۔ بلکہ پروفیسر مولوی کریم بخش مظفر گڑھی (استاذ گورنمنٹ کالج لاہور) کے رسالہ "چہل مسئلہ حضرات بریلویہ" سے نقل کر کے خواہ مخواہ بدنام ہوئے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے رسالہ میں یوں لکھا تھا:

۲۔ "بیشک میرے رب نے میری اُمت کے بارہ میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا۔"

(چہل مسئلہ حضرات بریلویہ صفحہ ۹۵)

(ف) "اس نام کے مجدد نے یہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کو مٹاتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا ہے کہ حضور نے معاذ اللہ حدیث میں یہ فرمایا ہے۔ اور دو ائمہ کرام (امام احمد و امام ابنِ عساکر) کی طرف اس حدیث کی تخریج کو منسوب کر کے ابن حذیفہ صحابی کو اس کا راوی بتلایا ہے۔ حالانکہ اس نام کا کوئی صحابی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ عبادت کی غلطی ہو اور عن

جواب "مسند احمد" صفحہ ۲۸۱ و صفحہ ۳۵۸ میں اس صحابی کی بے شمار روایتیں موجود ہیں مگر ایسی جھوٹی روایت کا نام ونشان نہ لے، اور بطل فطرت سلیمہ اور صریح توحید باری تعالیٰ کے خلاف ایسی روایت کہاں ہو سکتی ہے!

واضح ہو کہ اس جھوٹی روایت میں حق تعالیٰ کا تین بار مشورہ کرنا لکھ دیا ہے اور اہلِ عقل خوب جانتے ہیں کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج و عاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر باری تعالیٰ کی شان میں کسی طرح متصور ہی نہیں ہو سکتا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو دوسروں سے مشورہ لینے کا ارشادِ احکم الحاکمین ہے۔

"قال عز اسمہ وشاورھم فی الامر" (پ ۴-۸)

یعنی آپ ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔" (صفحہ ۹)

پروفیسر صاحب نے حضور علیہ السلام کے اسم گرامی پر صرف "ص" لکھا ہے جو اس کی محرومی کی صرف یہی ایک علامت کافی ہے۔ پروفیسر اینڈ کمپنی کی علمیت پر قربان کر ان غریبوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ "ص یا عم یا صلعم" لکھ دینا مکروہ ہے اور محروم لوگوں کی عادت۔ چنانچہ فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۱۲۴ میں لکھا ہے کہ:

"وکذا اسم رسولہ بان یکتب عقبہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد جرت عادۃ الخلف کالسلف ولا یختصر کتابتھا بنحو "صلعم" فانہ عادۃ المحرومین"

اور روح البیان صفحہ ۲۲۳ جلد ۷ میں ہے:

ویکرہ الرمز للصلوۃ والسلام علی النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی الخط بان یقتصر من ذلک علی الحرفین ھکذا "عم" او نحو ذلک کمن یکتب "صلعم" یشیر بہ الی صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر کریم بخش کے مذکورہ رسالے کے رد میں مولانا عبد الکریم چشتی صاحب نے ایک شاندار

عالمانہ کتاب لکھی ہے[1]۔ مجھے گکھڑوی صاحب پر بھی تعجب ہے۔ کہ ادھر تو مصنف بننے کا شوق ہے، لیکن تحقیق کا یہ عالم کہ ایک پروفیسر کی کتاب سے آنکھیں بند کر کے غلط حوالے نقل کر دیئے اور یہ نہ دیکھا کہ اس بہتان کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جائے گا۔ مذکورہ رسالہ کو اسی گکھڑوی نے بڑے فخر و ناز سے شائع کیا ہے، امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ تو بحرِ علوم تھے یہ بیچارے ان کی قدر و قیمت کو کیا جانیں؟

بہر حال ہم ان تیمیوں (علمی) کو درج ذیل حوالہ جات کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

یہ روایت مسندِ امام احمد و ابن عساکر، کے علاوہ ذیل کی کتب احادیث و سیر میں موجود ہے۔

۱۔ خصائص کبریٰ لجلال الملۃ والدین

—— حافظ الحدیث الامام السیوطی ص۲۱۱ جلد ۲ عن احمد و ابو بکر الشافعی فی الغیلانیات و ابو نعیم و ابن عساکر عن حذیفہ بن الیمان۔

۲۔ مذکور الصدر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے البدور السافرہ فی امور الآخرہ ص۲۶ میں اختصاراً امام احمد کے حوالہ سے درج کی۔

۳۔ کنز العمال ص۱۱۲ جلد ۶ حدیث ۱۷۳۵

اور اصل میں سالم حدیث یوں ہے:

"عن حذیفۃ بن الیمان قال سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً فلم یرفع حتی ظننا ان نفسہ قد قبضت فیھا فلما رفع قال ان ربی استشارنی فی امتی ماذا افعل بھم فقلت ماشئت یارب خلقک وعبادک فاستشارنی الثانیۃ فقلت لہ ذلک فاستشارنی الثالثۃ فقلت لہ ذلک

[1] یعنی "ضرب مجاہد" شائع کردہ دار العلوم چشتیہ رضویہ خانقاہ ڈوگراں (شیخوپورہ)

فقال انی لن اخزیک فی امتک وبشرنی ان اول من یدخل
الجنۃ معی من امتی سبعون الفا مع کل الف سبعون الفا لیس
علیھم حساب ثم ارسل الیّ ادع تجب وسل تعط واعطانی ان
غفر لی ما تقدم من ذنبی وما تاخر وانا امشی حیاً صحیحا و
شرح صدری وانہ اعطانی ان لا تخزنی امتی ولا تغلب وانہ
اعطانی الکوثر نھرا فی الجنۃ یسیل فی حوضی وانہ اعطانی
القوۃ والنصر والرعب یسعی بین یدی شھرا وانہ اعطانی انی
اول الانبیاء دخولا الجنۃ وطیب لامتی الغنیمۃ احل لنا کثیرا
مما شدد علی من قبلنا ولم یجعل علینا فی الدین من حرج فلم
اجد لہ شکراً الا ھذہ السجدۃ

رسالہ[1] مذکورہ میں (اف) فساد کی ڈال کر لکھتا ہے کہ اس نام کے مجدد نے یہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کو مٹاتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت اور آپ کے علمی تبحر کو تو مخالفین کے حکیم الامت بھی معترف ہیں اور پھر علمائے[2] حق عرب و عجم نے جو مدح کی ہے اس کا کیا کہنا، اگر ایک سطحی مولوی اپنی کم علمی کا ثبوت دے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا کچھ نہیں بگڑتا البتہ معترضین کی علمیت اور ان کے قلبی غبار کا پتہ لگ جاتا ہے قابلِ رحم تو ان معترضین کی حالت زار ہے، جو اعلیٰ حضرت پر الزام تراشی کرنے کے شوق

---

[1] چہل مسئلہ حضرات بریلویہ

[2] اعلیٰ حضرت کے کمالات کی بہار علمائے حرمین شریفین کی زبانی دیکھنا منظور ہو تو "حسام الحرمین" اور "الفیوضات الملکیہ" کا مطالعہ کیجئے۔ "ولی را ولی می شناسد" کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آ جائے گا نیز "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" شائع کردہ مرکزی مجلس رضا۔ لاہور، دیکھی جائے (اختر شاہجہان پوری)

ہیں صحیح حدیث کو وضعی تک قرار دے کر منکرین حدیث کی صف میں کھڑا ہونا منظور کر لیتے ہیں جیسی طرح ایک وضعی حدیث کا بیان کرنا جہنم خریدنا ہے۔ اسی طرح ایک حدیثِ صحیح کا انکار بھی واقعی دوزخ کا ایندھن بننا ہے۔ بھلا منکرین حدیث نے اور کون سا جرم کیا ہے کہ آج سب کے سب دیوبندی علما بھی منکرینِ حدیث کو جہنمی یعنی کافر، مرتد اور نامعلوم کیا کیا کہتے ہیں؟ لیکن انصاف کا جنازہ اگر نکل نہیں گیا ہے تو کالج کے پروفیسر سے لے کر لستانی اور گھڑودی پارٹی تک کے حواری منکرین حدیث سے کچھ آگے ہی نظر آئیں گے۔

قولہ: مسند ص ۳۸۲ - ۴۰۸ ج ۵ میں اس صحابی کی بے شمار روایتیں موجود ہیں، مگر ایسی جھوٹی روایت کا نام و نشان ندارد (ص ۴)

اقول: بے چارہ پروفیسر تو مر گیا ورنہ فقیر اویسی رضوی غفرلہ، "مسند امام احمد" ص ۳۹۳ جلد ۵ مطبوعہ مصر، "کنزل العمال" ص ۱۱۲ جلد ۶ "خصائص کبریٰ" ص ۲۱ "البدور السافرہ ص ۴۶" سے سالم حدیث سناتا اور کہتا کہ کنز العمال میں تو اس کی تخریج صرف امام احمد اور امام ابن عساکر کی طرف منسوب ہے، لیکن "خصائص کبریٰ" میں ان کے علاوہ ابو بکر شافعی (بزاز اور ابونعیم کی طرف بھی اس حدیث کی تخریج کو منسوب کیا ہے۔ یہ جگہ دا پروفیسر نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب "الامن والعلیٰ" کی ایک عبارت کو قطع و برید کر کے کھڑا کیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے "الامن والعلیٰ" میں مسند امام احمد کا نام نہیں لیا صرف اتنا لکھا "الامام احمد و ابن عساکر عن حذیفۃ" ملاحظہ ہو "الامن والعلیٰ" مطبوعہ بریلی شریف اور الفاظ حدیث شریف "کنز العمال" کے ہیں۔

قولہ: ابن حذیفہ صحابی کو اس کا راوی بتلایا۔ الخ

اقول: ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نقل کردہ حدیث کے راوی حذیفہ ہیں۔ چنانچہ "کنز العمال"، "خصائص کبریٰ"، "مسند احمد" اور "البدور السافرہ" میں عن حذیفہ ہے اور "الامن والعلیٰ" مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی شریف

ص۲۳ پر اور اسی طرح مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور کے ص۱۱۲ پر عن حذیفہ موجود ہے۔ البتہ صابر الیکٹرک پریس کی مطبوعہ کے ص۳۵ پر کاتب کی غلطی سے "عن" کی بجائے "ابن" لکھا گیا ہے، لیکن پروفیسر صاحب اور مُلتان سے گکھڑ منڈی کے معترضین وحاسدین نے کتابت کی اس غلطی کو لے کر اُچھلنا شروع کر دیا حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی کتابت کی اس غلطی کو مصنف کی طرف منسوب نہیں کر سکتا، لیکن جو حضرات خدا کو جھوٹا کہے بغیر نہیں رہ سکتے وہ اگر اعلیٰ حضرت پر کسی غلط حوالے کا الزام گھڑ دیں تو کیا تعجب ہے؟

قولہ: اہلِ عقل خوب جانتے ہیں کہ کسی کا دوسرے سے مشورہ لینا احتیاج وعاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر باری تعالیٰ کی شان میں کسی طرح متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

اقول: دیوبندیوں کی بدعقیدگی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ مقدسہ کا قیاس اپنے افعال وخواص پر کر لیا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کو بھی اس بنیاد پر کھڑا کیا ہے۔ پروفیسر کی عبارت "اہلِ عقل خوب جانتے ہیں الخ" مقیس علیہ اور "یہ امر باری تعالیٰ الخ" مقیس ہے کون نہیں جانتا کہ ہمارا مشورہ طلب کرنا واقعی غلطی کے احتمال کو دُور کرنے کے لیے یا احتیاج وعاجزی کی بناء پر ہوتا ہے۔ لیکن باری تعالیٰ کو اس ضابطہ میں شامل کرنا غلط ہے۔ اگر ان کا یہ قیاس درست مان لیا جائے، تو پھر اس کا یہ ماحصل ہوگا کہ معاذاللہ، اللہ تعالیٰ ہماری مثل ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مشورہ لینا ہر حالت میں عاجزی یا احتیاج پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ مشورہ کا معنی استخراج الرای شرت العسل سے ماخوذ ہے یعنی میں نے شہد کو اس کی جگہ سے نکال لیا اور چونکہ مشورہ میں دوسرے کی رائے کا معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے اسی لیے اسے مشورہ سے موسوم کیا گیا چنانچہ "بیضاوی شریف" میں ہے۔

"المشورۃ استخراج الرای بمراجعۃ البعض" یعنی کسی کی طرف رجوع کر کے اس

کی رائے کو ظاہر کرانا اور مفردات امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی اسی طرح ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مشورہ سے متکلم ومخاطب میں سے ہر ایک کی رائے کا استخراج ضروری نہیں، بلکہ صرف مخاطب کی رائے لینا بھی کافی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے تخلیق بنی آدم سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ میں ملائکہ سے فرمایا: "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" اس آیت میں اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور فرشتے مخاطب۔ اللہ تعالیٰ نے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کہہ کر فرشتوں کی رائے لی۔ اور فرشتوں نے اتجعل فیھا کہہ کر اپنی رائے ظاہر کی۔ کیا دیوبند کی حضرات یا کالج کے پروفیسر اس مشورہ کا انکار کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کرسکتے! تو پھر اس قاعدہ کے مطابق کیا مشورہ لینے سے اللہ تعالیٰ کا محتاج یا عاجز ہونا ثابت ہوگیا؟ نہیں! ہرگز نہیں!! اس کے باوجود کالج کے مولوی کو نبی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مشورہ لینا کیوں توحید کے منافی اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف نظر آیا؟ اور اس بغض وعناد کے تحت لکھ دینا بھلا فطرتِ سلیمہ اور صریح توحید باری تعالیٰ کے خلاف ایسی روایت کہاں ہوسکتی ہے؟ کیا اسی کا نام "دین داری" ہے؟

اگر اس وقت پروفیسر غریب زندہ ہوتا تو اُسے فقیر اویسی رضوی غفرلہٗ ذیل کے چند حوالہ جات پیش کرتا۔ جس میں صراحۃً مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام سے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق مشورہ لیا چنانچہ درج ذیل تفاسیر ملاحظہ ہوں۔

"تفسیر ابن جریر ص۱۵۷ ج۱" میں ہے،

عن سعید عن قتادة واذ قال ربك للملائكة اِنی جاعلٌ فی الارض خلیفة فاستشار الملائكه فی خلق آدم فقالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء الحدیث!

عرائس البیان ص۱۹ جلد۱ میں ہے کہ

نعرّفھم عند المشورة مع الملائكة خلوھم من المحبة

اور مدارک تحت آیت ھذا صہ ۳۲ جلد ا میں ہے:

او لیعلم عبادہ المشاورۃ فی امورھم قبل ان یقدموا علیہا وان کان ھو بعلمہ وحکمتہ البالغۃ غنیا عن المشاورۃ"

تفسیر نیشاپوری صہ ۲۰۹ جلد ا میں ہے:

والفائدۃ فی اخبار الملائکۃ بذلک اما تعلیم یا اما تعلیم العباد المشاورۃ فی امورھم وان کان ھو بحکمتہ البالغۃ غنیا عن ذلک واما ان یسئلوا ذلک السوال ویجابوا بما اجیب۔

تفسیر سراج المنیر صہ ۴۲ جلد ا میں ہے:

وفائدۃ قولہ ھذا للملائکۃ تعلیم المشاورۃ لا تعظیم شان المجعول۔

اسی طرح تمام تفاسیر متداولہ وغیر متداولہ میں اجمالاً و تفصیلاً موجود ہے۔

(ف) ان تمام عبارات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دینے اور آدم علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے اور دیگر حکمتوں کی بنا پر پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں سے مشورہ کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی سے مشورہ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی سے مشورہ لینا ہمیشہ محتاجی اور عاجزی کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ حکمتوں کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور جس سے مشورہ لیا جائے۔ اس کی تعظیم بھی مقصود ہوتی ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ لینا خلافِ شان نہیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینا کیونکر عظمتِ خداوندی کے منافی ہو سکتا ہے؟ اس سے دیوبندیوں کی اعتزال پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر ملائکہ کو افضلیت حاصل ہے۔ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے مشورہ لے تو ان حضرات کے نزدیک کوئی حرج نہیں لیکن اگر سردارِ انبیاء علیہ السلام سے مشورہ لے تو ان کی نظروں میں توحید کو

خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ شانِ رسالت سے ان کے بُغض کا ثبوت ہے یا اعتزال میں سے وراثت کا حِصّہ پایا ہے؛

قولہ : اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو دوسروں سے مشورہ لینے کا ارشادِ احکم الحاکمین ہے: قال عزاسمہ وشاورھم فی الامر

حضور علیہ السلام تو دوسروں کے محتاج اور عاجز بندے ہیں، ورنہ مشورہ کا امر کیسا؛

اقول: اس غریب پروفیسر کو معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام اپنی شانِ نبوت میں کسی کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا غنی بنایا کہ سوائے اپنی ذات کے باقی تمام کو ان کے در کا بھیک مانگنے والا بنایا۔ کیا خوب فرمایا ہے ہمارے مجدد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے

وہی رَبّ ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم فرمایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

حضور علیہ السلام کو دوسروں سے مشورہ لینے کا حکم بھی کئی وجوہ سے تھا جس میں حضور علیہ السلام کی محتاجی اور عاجزی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو؛

۱۔ تفسیر کبیر صفہ ۱۲ جلد ۳۔

الخامس وشاورھم فی الامر لا تسفید منھم رأیاً وعلماً لکن لکی تعلم مقادیر عقولھم الخ

اور اسی تفسیر میں چند سطور کے بعد لکھا کہ

السادس وشاورھم فی الامر لا لانک محتاج الیھم ولکن لانک اذا شاورتھم فی الامر اجتھد کل واحد منھم فی استخراج الوجہ الاصلح

۲۔ تفسیر نیشاپوری صفہ ۱۱۹ جلد ۴ میں ہے۔

وقد ذکر العلماء لامر الرسول بالمشاورۃ مع انہ اعلم الناس و

اعقلهم فوائد منها انها توجب علو شانهم و رفعة قدرهم۔

۳۔ تفسیر ابنِ جریر صفحہ ۹۴ پ ۴ میں ہے:

عن الربیع وشاورهم فی الامر قال امر الله نبیه صلی الله علیه وسلم ان یشاور اصحابه فی الامور وهو یاتیه الوحی من السماء لانه اطیب لانفسهم۔

۴۔ تفسیر روح المعانی صفحہ ۹۴ میں ہے:

ویؤید ما اخرجه ابن عدی والبیهقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما لما نزلت شاورهم فی الامر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما ان الله و رسوله لغنیان عنها ولکن جعلها الله تعالیٰ رحمة لامتی۔

(ف) ان روایات سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ لینے کا حکم دینا اُن کی محتاجی اور عاجزی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اُمّت کے لیے رحمت اور انہیں مشورہ کے طریقے اور معاشرے کی صحت و دیگر حکمتوں کے لیے تھا۔ جن کا تفصیلی بیان مذکورہ بالا حوالہ جات میں گزرا، لیکن ؎

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

باقی وجوہِ تردید مولانا عبد الکریم صاحب کی کتاب "ضرب مجاہد" میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس طول وطویل بحث سے میرا مقصد صرف آنا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرّہٗ کو فنِ حدیث پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ اگر کوئی بربنائے تعصب آپ کے کسی حوالے پر حرف گیری کرتا تو علمی دنیا میں اُسے اپنی کم علمی کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہ رہتا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرّہٗ نے احادیث کی روشنی میں جہاں جملہ بدمذہبوں کے ہر قول وفعل کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں غلط کار صوفیہ کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ وہ جاہل صوفیہ جنہوں نے

تصوف کو بدنام کر کے اولیاء کرام کی مقدس شخصیتوں اور اُن کے مزارات کو سجدہ تعظیمی کرنے لگے یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ جیسے اولیائے کرام کے عاشق صادق کو کب گوارا تھا کیونکہ جس طرح اولیائے کرام کی شان میں جیسے تفریط حرام ہے، اسی طرح افراط بھی۔ اس پر آپ نے قلم اٹھایا تو ایک ضخیم کتاب تصنیف فرمادی جس کا نام ہے: "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ" کتابی سائز میں اس کے ۱۲۴ صفحات ہیں۔ جس کی فصل دوم میں چالیس احادیث سے "تحریم سجدہ تحیۃ" کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ متن میں متعدد حوالہ جات کے علاوہ ہر حدیث کے حاشیہ پر متعدد کتب کے اسماء لکھے۔ یہ بظاہر صرف چالیس حدیثیں ہیں، لیکن متن اور حواشی کے حوالہ جات جمع کئے جائیں۔ تو مجموعی طور پر جن کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ پانچ صد سے متجاوز ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمی خدمات سے صرف وہی مستفید ہوتے ہیں۔ جنہیں علم حدیث سے کچھ واسطہ ہو۔

اس طرح بعض صوفیہ نے اولیائے کرام کی طرف یہ بات منسوب کی کہ فوٹو اور تصویر کو رکھنا اور دیکھنا موجب ثواب اور باعث برکت ہے۔ آپ کو اُن کی یہ غلطی ایک آنکھ نہ بھائی اور "شفاء الواله فی صور الحبیب و نعاله" لکھ کر شریعت مصطفویہ علی صاحبہا السلام کے متبعین پر احسانِ عظیم فرمایا۔ اس رسالہ مبارکہ میں ستائیس [۲۷] احادیث جمع فرمائیں اور زمانہ حال کے صوفیوں کی ایک غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہوئے سلوک کا ایک ایسا روح پرور درس دیا کہ باید و شاید ـــــ چنانچہ فرمایا۔ اللہ عزوجل پناہ دے ابلیس لعین کے مکائد سے سخت تر کید ہے کہ آدمی حسنات کے دھوکے میں سیئات کراتا ہے اور شہد کے بہانے زہر پلاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

اس مسکین تصاویر بنانے والے اور اُن کی زیارت ولمس و تقبیل کرنے والوں نے گمان کیا کہ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حق محبت ادا کر کے آپ کو راضی کرتے ہیں حالانکہ حقیقۃً وہ اپنی ان حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کر رہے ہیں

اس پر سب سے پہلے ناراض ہونے والے حضور اکرم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے بعد
ستائیس ۲۷ احادیث سے ان کی تردید کرکے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ یہاں بعض مذکور ہوئیں۔
اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو صرف یہی ستائیس ۲۷ احادیث معلوم نہیں تھیں، بلکہ بقدر اختصار
ان ہی پر اکتفا فرمایا۔ ورنہ اگر ان سے زائد لکھتے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ گنتی کہاں تک پہنچتی۔
اس رسالہ میں سائل نے روضہ اقدس و نعلین مقدسہ کے نقوش وغیرہ کا سوال بھی لکھا۔ اس کا
جواب رسالہ مذکور میں مختصراً لکھا لیکن قلم نے گوارا نہ کیا کہ اس جواب کو احادیث کی روشنی میں
ثابت نہ فرمائیں چنانچہ دوسری دفعہ سوال کے ورود پر ایک اور رسالہ "بدر الانوار فی
آداب الآثار" لکھا جس میں احادیث مقدسہ کے ساتھ شروح احادیث و تفاسیر کے
حوالجات سے مع جزئیات فقہ کے مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی۔ اس مجموعہ کا نام
"ابر المقال فی استحسان قبلة الاجلال" ہے۔

اس طرح تصوف کے رنگ میں جب وہابیوں نے تصور شیخ پر شرک کا فتویٰ جڑ دیا۔ تو
آپ نے ایک رسالہ "الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة" لکھا۔ جس میں احادیث
کے استنباط کے ساتھ اکابر علماء اور خاندان عزیزی دہلوی کی تصانیف سے شغل برزخ کا ایسا
شاندار اثبات کیا۔ جس کا جواب آج تک منکرین سے نہ بن پڑا اور نہ یہ ممکن ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس طریقہ کار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا قلم صراط مستقیم
کی صحیح تفسیر اور حقانیت کا حقیقی ترجمان تھا۔ آپ نہ شریعت کے مسائل میں افراط و تفریط
گوارا فرماتے اور نہ تصوف و طریقت کی باتوں میں کمی یا بیشی کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے
کہ جب آپ کے دور میں بعض حضرات نے "سیاہ خضاب" کا داڑھی وغیرہ میں استعمال
جائز بتایا۔ تو بارہ صفحات کا ایک فتویٰ "حک العیب فی حرمة تسوید الشیب" لکھا۔
جس میں سولہ صحیح اور مستند حدیثوں کو پچاس کتب حدیث سے پھر تیس ۳۰ سے زائد کتب فقہ و
لغت و اکابر علماء کی تحقیق سے ثابت فرمایا کہ خضاب سیاہ کا استعمال حرام اور سخت حرام

ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ کو فقہ کی جزئیات سے تعلق تھا لیکن آپ نے فقہی جزئیات کے ساتھ احادیث صحیحہ اور ان کی شروح پھر اکابر علماء کی آراء پیش کیں تاکہ مسئلہ کا کوئی پہلو کسی طرح تشنۂ تکمیل نہ رہے

اگرچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی پیدائش سے قبل وہابیہ۔ نجدیہ کی سینکڑوں علمائے کرام نے تردید کی جس کی تفصیل فقیر اویسی غفرلہ نے اپنی کتاب "التحقیق الجلیل فی تحریف اسماعیل القتیل" میں کر دی ہے، لیکن جب سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا قلم جنبش میں آیا تو اس کے بعد وہابیت و دیوبندیت حرفِ غلط ثابت ہو کر رہ گئیں۔ اسی لیے اب عوام میں خود وہابی۔ دیوبندی پارٹی نے مشہور کر دیا ہے کہ جتنے بھی پیروں فقیروں کے ماننے والے ہیں، سب بریلوی ہیں۔ حالانکہ مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ تو دیوبندی۔ وہابی پارٹی کے اکابر علماء سے سن میں چھوٹے تھے اور آپ سے پہلے بھی بے شمار تصانیف وہابیوں کی تردید میں شائع ہوئیں لیکن یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت سمجھیئے یا وہابیت کی واڑوں بختی کہ عرب و عجم میں جہاں بھی کوئی وہابیت کی تردید کرے یا اہلسنت و جماعت کے عقائد کا پرچار کرے، تو وہ وہابیوں کے نزدیک "بریلوی" ہے۔ خواہ وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے نام تک سے بھی واقف نہ ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو وہابیت کی تردید کی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور یہ کمال صرف اعلیٰ حضرت کو حاصل ہے کہ وہابیوں کی تردید خواہ فقہی مسائل میں فرمائی ہے یا شانِ رسالت کے متعلق خواہ سیرتِ مطہرہ کے روشن پہلو پر، لیکن وہابیت کی تردید میں، قلم کا زور احادیث مقدسہ کے مضامین پر لگایا ہے۔ کیونکہ وہابیہ کا دستور یہی رہا ہے کہ وہ ہر مضمون کو احادیث کے رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگرچہ یہ صرف ان کا ایک حربہ تھا لیکن اعلیٰحضرت نے ہر مسئلہ پر احادیث کے ذریعے خصوصاً ان کی تواضع کی چنانچہ "انگوٹھے چومنے کا مسئلہ" فقہی جزئیات سے متعلق ہے۔ "کما حررہ الفقہاء فی کتبھم فی باب الاذان" لیکن چونکہ یہ جزئیہ ایک ضعیف حدیث سے متعلق تھا، اسی لیے اس موضوع پر ایک نہیں تین ضخیم رسالے تصنیف فرمائے، جیسا کہ مذکور ہوا۔ اسی طرح جب وہابیہ و دیوبندیہ

نے "درود تاج شریف" کے مجدد واقع البلاء" کو شرک بتلایا تو پونے تین سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مسمٰی باسم تاریخی "الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء" تحریر فرمائی، جس میں چھیاسٹھ آیات قرآنیہ اور پونے تین سو احادیث صحیحہ سے ایسے محققانہ انداز میں ثبوت دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بیش بہا خزینہ اور انمول گنجینہ ہے پھر ان احادیث پر جو فوائد مرتب فرمائے۔ وہ ایک ہزار سے بھی متجاوز ہیں۔ ان فوائد علمیہ کے علاوہ وہ اصول حدیث کے قواعد و ضوابط بیان فرمائے گئے جو بظاہر تو صرف اعتراضوں کے جواب کی شکل میں ہیں، لیکن درحقیقت بے شمار کتب کی ورق گردانی سے بچا کر علم کے شیدائیوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

جب وہابیہ نے یہ افترا گھڑا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی امور میں کسی قسم کا اختیار نہیں تو اعلیٰ حضرت کا قلم حرکت میں آگیا اور ۱۸۹ احادیث منیفہ سے مبرہن کیا کہ حضور پُرنور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مالک رقاب امم ادیان العرب والعجم مالک و مختار عالم ہیں۔ سارے عالم کا انتظام، دین و دنیا کے تمام کام، شریعت مطہرہ کے سارے احکام مفوض بہ یدِ حبیب لبیب ہیں، علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

تمام اوامر و نواہی حضور کے اختیار میں ہیں۔ جسے جو چاہیں امر فرمائیں اور جس سے جسے چاہیں مستثنیٰ فرمائیں۔ در اصل یہ کتاب "الامن والعلیٰ" کا دوسرا حصہ ہے۔ ایسی تصانیف میں اعلیٰ حضرت کا کمال یہ ہے کہ ایک ایک حدیث کی کئی کئی سندیں اور کئی کئی کتابوں کے حوالے درج فرماتے ہیں جس سے پڑھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ نامعلوم مصنف مرحوم نے ان کتابوں کا مطالعہ کس وقت فرمایا اور پھر مطالعہ کر کے تصنیف کے وقت ایسی ضخیم کتابوں کے حوالے کس طرح یاد رکھے۔ سیدی و سندی و استاذی حضرت علامہ مولانا سردار احمد محدث پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف جب دیوبند کے جید عالم و فاضل انور شاہ کشمیری کے سامنے آئیں تو وہ کہہ اٹھا کہ،

"مولانا احمد رضا خان ایک مسئلہ کی وضاحت میں کتابوں کے حوالجات کے ڈھیر لگا دیتے ہیں یہ ان کا علمی کمال نہیں بلکہ کوئی قدوسی ملکہ ہے، جو انہیں عطا ہوا ہے، ورنہ ایک عالم دین کہاں اور اتنے حوالجات کہاں؟"

مودودی صاحب کے دست راست ملک غلام علی صاحب کو جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بعض تصانیف کا مطالعہ نصیب ہوا تو مجبوراً اسے کہنا پڑا کہ

"مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں ہم لوگ اب تک سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے ہاں پائی ہے، وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔[1]"

یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحقیق کے سامنے مخالفین کو بھی سر جھکانا پڑا۔ چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

"میرے دل میں احمد رضا کے لیے احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر۔ کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔[2]"

ایک دفعہ آپ کے سامنے ملائکہ کی پیدائش کا سوال پیش ہوا تو آپ کے قلم نے احادیث کے بحرِ بیکراں میں غوطہ لگایا۔ اکیس ۲۱ حدیثوں کی روشنی میں "الھدایۃ المبارکہ فی خلق الملائکہ" کے نام سے ایسا جواب دیا کہ جس کی نظیر نہیں دیکھی گئی۔ اسی طرح نماز کے بعد معانقہ و مصافحہ کرنے پر بعض کم علم لوگوں نے بدعت کا فتویٰ لگایا تو عاشقِ سنت کے قلم نے اس مسئلہ پر ۲۵ صحیح حدیثوں سے وضاحت فرمائی اور بے شمار فقہاء کے اقوال نقل فرمائے جس کا نام "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" ہے۔

---

[1] ہفت روزہ شہاب لاہور۔ ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء
[2] ہفت روزہ چٹان لاہور۔ ۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء

ایک دفعہ متحدہ ہندوستان کے بعض شہروں میں سخت قحط اور وبا کا حملہ ہوا۔ بعض مقامات پر خیرات و صدقات وغیرہ کے ذریعے اس شامت سے بچنے کی تدبیریں کی گئیں۔ بعض بے علم مولویوں نے اس عمل کو غیر مستحسن بتایا۔ مولوی احمد اللہ تلمیذ مولانا احمد حسن کانپوری مدرس مدرسہ فیض عام کے استفسار پر اعلیٰ حضرت کے قلم نے سرور کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں نیک عمل کرنے والوں کو تسلی دلائی یعنی اٹھائیس احادیث کے مجموعہ سے بے شمار مسائل اخذ کر کے منکرین کے خیالات کی مختلف طریقوں پر تردید کی۔ ان احادیث کی نقل سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نہ صرف حدیثیں بتاتا جا رہا ہے بلکہ ان احادیث سے طرق استنباط بھی سکھاتا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کا نام ہے "بیاد القحط والوباء بدعوة الجيران ومواساة الفقراء"

بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک کتب کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ورنہ آپ کی جملہ تصانیف کا اجمالی جائزہ بھی لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی پیش کردہ احادیث کے متعلق چند کتابوں کی طرف اشارے کئے جاتے ہیں مثلاً منکرین سماع موتی کے رد میں تین صد صفحات کی کتاب "حیات الموات" تحریر فرمائی۔

جب منکرین نے کہا کہ میت کی روح اپنے گھر نہیں آتی تو

"اتیان الارواح" کے نام سے بذریعہ احادیث مخالفین کی گوشمالی فرمائی۔

منکرین نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تاریک سایہ ثابت کرنا چاہا تو تین رسائل (۱) قمر التمام ــــ (۲) نفی الفئ ــــ اور ــــ ہدی الحیران لکھ کر ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ مخالفین کے قلم توڑ دیئے۔

منکرین نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جامع القرآن ہونے کا انکار کیا تو احادیث کی روشنی میں "جمع القرآن وبم عزوه لعثمان" لکھا اور ایسا شافی جواب دیا کہ جس کے بعد کسی مخالف کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔ چونکہ بیشہ "گستاخ ٹولہ" حضور نور

صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا منکر تھا۔ لہٰذا اُن کا رد کرتے ہوئے بے شمار احادیث سے اپنے آقا و مولیٰ حضور پر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا ثبوت پیش فرمایا، بلکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف جلیلہ کے مطالعہ کی اللہ تعالیٰ توفیق دے تو قاری دیکھے گا کہ آپ ہر مسئلہ کو احادیث سے واضح کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ چنانچہ "حقوق الوالدین" پر قلم اٹھایا تو چالیس ۴۰، پچاس ۵۰ احادیث کے مجموعہ سے والدین و اساتذہ کے حقوق شرح و بسط سے بیان کر دیئے مجموعہ کا نام "شرح الحقوق لطرح العقوق" ہے

اس طرح بندوں کے حقوق وغیرہ پر آپ کا ایک فاضلانہ رسالہ موجود ہے۔ جس کا نام "اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد" ہے۔ اس میں زیادہ زور احادیث کی نقل پر ہے۔ قطع نظر آپ کی غیر مطبوعہ تصانیف کے مطبوعہ فتاوی رضویہ کے چند مسائل ملاحظہ ہوں۔ اگرچہ مسائل کا سوال فقہی مسئلہ کے متعلق ہے لیکن عاشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس مسئلہ کو احادیث کی روشنی سے ثابت کرے گا پھر جزئیات فقہ نقل فرمائیگا مثلاً:

فتاوی رضویہ جلد اول میں سوال ہوا کہ بعض لوگ اعضائے وضو پونچھنے سے ثواب جاتے رہنے کا فتوی دیتے ہیں۔ تو آپ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "تنویر القندیل فی اوصاف المندیل" لکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے۔ وضو کا ثواب جاتے رہنا محض غلط ہے، البتہ بہتر ہے کہ بے ضرورت نہ پونچھے اور متکبرین کی طرح اس کی عادت نہ ڈالے اور پونچھے تو بے ضرورت بالکل خشک نہ کرے۔ قدرے نم باقی رہنے دے۔ اس مسئلہ کو اولاً چھ احادیث سے ثابت فرمایا اور متقدمین فقہاء کرام کی عبارات سے جہاں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف تھا احادیث کے قواعد کے ذریعے حل فرمایا، اور ایسی نفیس بحث فرمائی کہ بقول حضرت مولانا سید اسمٰعیل محافظ کتب حرم مکہ مکرمہ "واللہ اقول والحق اقول انہ لو راٰھا ابو حنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب"

اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل حق کہتا ہوں کہ بے شک اس فتوی کو اگر امام

اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو بلاشبہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور یقیناً اس فتویٰ کے مؤلف کو امام اعظم (رضی اللہ عنہ) اپنے اصحاب (امام ابویوسف امام محمد امام زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں شامل فرماتے۔[1]

"مسح اعضاء بعد الوضو پر بعض فقہا نے اعتراض کیا کہ وضو کا پانی نامہ اعمال میں تولا جائے گا پھر اگر اعضاء سے پانی کو پونچھ لیا جائے گا تو اسی قدر اعمال کا وزن گھٹ جائیگا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کا جواب یوں دیا کہ:

فهذا الحديث مع تصريحه بالوزن نص على نفي الكراهة وان ذلك انما هو استحباب ومعلوم ان ترك المستحب لا يوجب كراهة التنزيه[2] الخ

اس جواب میں اعلیٰ حضرت کا تبحر علمی قابل ستائش ہے کہ ایک طرف نفس مسئلہ کی وضاحت فرمائی اور دوسری طرف محققانہ انداز پر احادیث میں تطبیق کر دی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تطبیق فی الاحادیث کتنا مشکل فن ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے سامنے یہ بھی اتنا آسان ہے، جیسے حافظ قرآن کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ایک حدیث متفق علیہ سے شبہ وارد ہوتا تھا کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں بعد الغسل کپڑا لائیں تاکہ حضور اقدس اس کپڑے سے اپنے اعضاء وضو پونچھ لیں تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا نہ لیا الخ

اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس سے کراہت ثابت نہیں ہوتی۔

"لانها واقعة عين لا عموم لها"[3]

سبحان اللہ! کیسی نفیس تحقیق ہے۔ ایک طرف سوال کا جواب ہے۔ دوسری طرف

---

[1] مجدد اسلام ص۱۸۱

[2] فتاویٰ رضویہ جلد ا ص۲۵

[3] فتاویٰ رضویہ ص۲۵ جلد ا

قاعدہ کلیہ اور ضابطہ عظیمہ کو جس سے فقیہ مجتہد ہزاروں مسائل استنباط فرما سکے یہی وجوہ ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر عالم اسلام کے علماء و محدثین کو اتفاق کرنا پڑا۔ بخدا اگر بالاجماع اُمتِ مسلمہ اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہوتا، تو ہم اعلیٰ حضرت کو مجتہد ماننے پر مجبور ہو جاتے۔ حدیث مذکورہ کے بیسیوں اور جوابات تحریر فرمائے جن میں ایک ایک جواب پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مُغلق مسائل کا حل فرمایا۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پھر اس میں نہ صرف احادیث کی تطبیق و توفیق فرماتے گئے بلکہ فقہائے کرام کے اختلافات اور ان کے تسامحات کو ایسے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ فقہائے کرام کے آداب میں بھی کمی نہ آئی، اور مسئلہ کی توجیہ بھی صحت پر بحال فرما دی۔ آگے چل کر ایک رسالہ "بارق النور فی مقادیر ماء الطھور" تحریر فرمایا جس میں شرعی صاع۔ مُد۔ رَطل۔ اَستار و مثقال کے اوزان بتاتے ہوئے سینکڑوں حدیثیں نقل فرمائیں اور ہر حدیث کے کئی کئی ماخذ اور متعدد طرق و اسانید تحریر فرمائیں۔

فقہائے کرام کے اختلافات و استنباطات کا ذکر فرما کر تطبیق ایسے رنگ میں ڈھالی جیسے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے جاتے ہیں اور اعلیٰ حضرت لکھتے جا رہے ہیں اہل انصاف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی باقی تصانیف کو چھوڑ کر صرف اسی رسالہ کو غور سے ملاحظہ فرما کر بتائیں کیا ہمارے ممدوح نائب امام اعظم جیسے لقب کے لائق ہیں یا نہیں؟ کیا عرض کروں خوف طوالت اجازت نہیں دیتا ورنہ اعلیٰ حضرت کے صرف اسی ایک رسالہ پر بحث کروں تو بفضلہ تعالیٰ فتاویٰ رضویہ" جلد اوّل جتنی ضخیم تحریر پیش کر دوں اور ... میں یہی لکھنا پڑے گا۔ ؏

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

اسی رسالہ میں سینکڑوں ابحاث کے ساتھ مسواک کی بحث چھیڑ دی اور اس پر بے شمار احادیث جمع فرمائیں اور تنقیح و تنقید کے بعد فرمایا" اگرچہ مسواک ہمارے نزدیک سنت ہے لہٰذا جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے اور نماز کے لیے مسواک کرنا مطلوب نہیں جب تک منہ میں

کسی وجہ سے تغیر نہ آگیا ہو۔ اب اس دفعۂ تغیر کے لیے مستقل سنت ہوگی، ہاں وضو بے مسواک کرلیا ہو تواب پیش نماز کرے مگر اس کے وقت میں ہمارے یہاں اختلاف ہے۔ اس کے بعد اختلافات کے وجوہ پھر ان کی حقیقت کو منقح فرماتے ہوئے لکھا کہ احادیث کثیرہ بطرق عدیدہ مروی ہوئیں۔ سب کی تفصیل باعث تطویل ان تمام احادیث کا ترک ذکر مسواک پر اتفاق تو یہ بتارہا ہے۔ کہ اس وقت مسواک نہ فرمانا ہی معتاد تھا ورنہ کوئی تو ذکر کرتا۔" اس کے بعد فرمایا کہ صدہا احادیث متعلق وضو و مسواک اس وقت سامنے ہیں کسی ایک حدیث صحیح صریح سے اصلاً مسواک کے لئے وقت مضمضہ داخل وضو ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔" مذکورہ تحریر میں احادیث کثیرہ بطریق عدیدہ اور پھر کسی ایک حدیث صحیح صریح کے الفاظ حدیث دانی کا کتنا چمکتا ہوا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو فنِ حدیث اور کتب سیر پر کتنا عبور تھا۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم، ۳۸۸ فتاویٰ اور سات رسائل پر مشتمل ہے اور ان میں اکثر رسائل پر فنِ حدیث کے پیشِ نظر گفتگو ہوئی ہے۔ اسی جلد میں "منیر العین" رسالہ ہے جس کا مختصر بیان فقیر نے گزشتہ اوراق میں کردیا ہے۔ ایک رسالہ "جمان التاج فی بیان الصّلوٰۃ قبل المعراج" ذکر فرمایا ہے جو فتاویٰ مطبوعہ دہلی کے ص ۱۵۰ سے شروع ہو کر ص ۱۶۵ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں بیان فرمایا ہے کہ حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل معراج کس طرح نماز ادا فرماتے تھے۔ یہ وہ عجیب و غریب مسئلہ ہے کہ جس سے آج کے جید علماء کہلوانے والے بے خبر ہیں لیکن ہمارے مجدد قدس سرہٗ نے پورے ۱۵ صفحات اسی پر صرف فرمائے اور اس میں ایسے انوکھے اور پیارے انداز سے بیان فرمایا جو انہی کا حصہ تھا۔ اسلاف میں سے کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا اور اخلاف سے تو کیا امید ہوسکتی ہے ؛

چنانچہ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ پیش از اسراء دو وقت یعنی قبلِ طلوعِ شمس و قبل غروب کی نمازیں مقرر ہونے پر علماء کا اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیت ثابت۔ باقی پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ اس پر متعدد احادیث و آیات سے استدلال

فرمایا۔ پھر آگے ارکانِ صلوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آیات واحادیث سے ظاہر ہے کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی۔ اس میں طہارتِ ثوب بھی تھی۔ وضو بھی تھا استقبالِ قبلہ بھی تھا تکبیر تحریمہ بھی تھی قیام بھی تھا۔ قرأت بھی تھی۔ رکوع بھی تھا۔ سجود بھی تھا۔ جماعت بھی ہوتی تھی۔ بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نماز سابق اصول وارکان میں اسی نماز مستقر کے موافق نظر آتی ہے، اور ان تمام ارکان وغیرہ کو احادیث کی روشنی میں مع مستند حوالہ جات اور صحیح سند وطرق کے ساتھ مدلل بیان فرماکر آخر میں ایک اعتراض چند احادیث سے نقل کر کے متعدد احادیث سے جواب دیا، اور اعتراض والی احادیث کو باحسن وجوہ بیان فرماکر آخر میں مسئلہ کی تنقیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ظاہر احادیث سے یہی ثابت ہے کہ نماز سابق ولاحق باہم یکساں و متوافق ہیں۔ اس رسالہ سے قبل "کتاب الصلوٰۃ" کی ابتدا میں ایک سوال ہے کہ نماز پنجگانہ میں کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی اور اگلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر بھی یہی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا خاصہ ہے! اس کے جواب میں گیارہ صفحات کا مضمون احادیث کی روشنی میں لکھا۔ اس میں احادیث کے تعارض کو احادیث کی روشنی میں اٹھایا۔ چنانچہ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ "نماز پنجگانہ اللہ عزوجل کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی۔ ہم سے پہلے کسی امت کو نہ ملی۔ بنی اسرائیل پر دو ہی وقت کی فرض تھی۔ وہ بھی صرف چار رکعتیں، دو صبح اور دو شام۔ وہ بھی ان سے نہ نبھی۔"

اس بحث میں ایک عجیب وغریب تحقیق فرماگئے حق یہ ہے کہ ایسی تحقیق صرف اعلیٰ حضرت کے حصہ میں مالکِ قضا وقدر نے لکھی۔ چنانچہ بعض کتب میں بڑے زوردار دلائل سے لکھ دیا گیا کہ

"الصلوٰت الخمس لم تجتمع لغیرہ ولغیر امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا لنبی قبلہ"

اس قول پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اختلاف فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

اقول: مگر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے کوئی دلیل صحیح صریح اس پر نہ پائی خصوصاً نماز

عشا کے بارے میں ان حضرات کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وکل ما ذکروا فلا یفید المدعی او معارض بما هو اصح واقوی کما فصلنا ذلك فی تحریر مستقل لنافی هذا المقال" اس کے بعد ان حضرات کی طرف سے سات احادیث تحریر فرمائیں اور ان سات احادیث کے ایسے اچھوتے محامل بیان فرمائے کہ جن کے پڑھنے والے کو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مصنف خود امام عینی ہے۔ بعد ازاں اپنے مدعا پر متعدد احادیث و آثار نقل فرما کر آخر میں فیصلہ فرمایا کہ "بالجملہ اس قدر بلاشبہ ثابت کہ نماز عشاء ہم سے پہلے کسی اُمت نے نہ پڑھی نہ کسی کو پانچوں نمازیں ملیں اور انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ظاہراً راجح یہی ہے کہ عشاء ان میں بھی بعض نے پڑھی۔"

فتویٰ کے سوال دوم کے بارے میں کہ کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی اس میں چار قول نقل فرمائے۔ اور ہر قول کی باقاعدہ سند اور دلیل بیان فرما کر ان چاروں اقوال میں چوتھے قول کو ترجیح دی وہ یہ کہ "صبح آدم، ظہر داؤد، عصر سلیمان، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی۔ چنانچہ فرمایا کہ فقیر کی نظر میں ظاہراً قول اخیر کو سب پر ترجیح۔ اول تو وہ حدیث ہے لا اقل اثر صحابی یا تابعی سہی اقوال علماء مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی، خصوصاً ایسے امر میں جس میں قیاس ورائے کو دخل نہیں۔ دراصل یہ تین اقوال پر ترجیح کا سبب بتایا ہے اور اس سے قبل تینوں اقوال کو غیر مرجح قرار دینے میں اصول حدیث کے رنگ میں شاندار بحث فرمائی جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مختصر رسالہ سے اعلیٰ حضرت کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اسماء الرجال، جرح و تعدیل، اصولِ حدیث و متون و شروحِ حدیث کی تمام کتابیں آپ کو حفظ تھیں۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں ایک اور معقول بحث ہے جس میں مہارت فنونِ حدیث کے تحت تحقیق کے دریا بہا دیئے ہیں چنانچہ سائل نے یوں عرض کیا کہ روس کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک۔

حلال جانور کی ہوں یا مردار کی بُھنا گیا ہے کہ اس میں شراب کی آمیزش بھی کی جاتی ہے الخ
اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے قلم اٹھایا تو اڑتیس صفحات کا رسالہ لکھ دیا اور اس کا نام ہے
"الاحلیٰ من السکر لطلبۃ سکر روس" اس پر دس مقدمات ممہد فرمائے اور ہر
مقدمہ کو احادیث کی روشنی میں بیان فرمایا۔ بعض بعض مقدمات میں دس دس پندرہ پندرہ
حدیثیں بیان فرمائیں۔ اور پھر ان میں اقول فاقول ثم اقول فرما کر کئی ایک نتائج برآمد
کئے۔ اور سیکڑوں مسائل کے استنباط کے طریقے بتائے۔ آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ روس کی
شکر بعض وجوہ سے حلال ہے اور بعض وجوہ سے حرام۔ اسی فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں
ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ جس میں غیر مقلدین کے تمام اصول کی جڑیں نہ صرف کھوکھلی ثابت کر
دیں۔ بلکہ سب کو ایک ایک کر کے مزاج شریعت کے خلاف ثابت کر دکھایا سوال صرف اتنا
تھا کہ سفر میں جبکہ قصر لازم ہے، دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے اٹھانوے
صفحات پر مشتمل "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کے نام سے جواب لکھا۔ یہ
کتاب مستطاب دراصل غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین کی تصنیف "معیار الحق"
کا رد ہے۔

اس کے شروع میں اُن صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے
گرامی گنائے ہیں جن کا مذہب ہے باستثناء "عرفہ و مزدلفہ" دو نمازوں کو قصداً ایک وقت
میں جمع کرنا سفراً و حضراً کسی طرح جائز نہیں۔ یہ وہ گنتی ہے کہ جسے صرف ماہر حدیث و اسماء
الرجال اور صحابہ و تابعین کے مذاہب فی المسائل کے اختلافات کا پورا واقف ہی بیان کر سکتا
ہے۔ ورنہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ خیر القرون میں مسائل شرعیہ کے متعلق کتنے مذہب تھے،
لیکن اعلیٰ حضرت کا کمال سمجھئے یا کرامت! اس مسئلہ کے مذاہب کی تنقیح کر کے انگلیوں پر
تمام حضرات کے اسمائے گرامی گن دیئے۔

کتاب کی تحریر سے پہلے جمع بین الصلوٰتین کی اقسام اور ان کے احکام زیب قرطاس

فرمایئے تاکہ دلائل پڑھتے وقت قارئین کو آسانی ہو چنانچہ فرمایا: تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنے کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جمع فعلی : جسے جمع صوری بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ جمع وقتی : جسے جمع حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔

پھر اس جمع حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جمع تقدیم ۲۔ جمع تاخیر

ان ہر ایک کو واضح طریق پر مثالیں دے کر سمجھایا۔ اس غرض سے کتاب کی چار فصلیں باندھیں۔ ہر فصل کا مختصر بیان ملاحظہ ہو کہ اس محدث و فقیہ اعظم نے پورے تیرہ سو سال کی کتب حدیث کو سامنے رکھ کر کیسی لاجواب و فقید المثال تحقیق پیش کی کہ اگر اس وقت میاں نذیر حسین زندہ ہوتے اور ان کے دل میں خدا کا خوف ہوتا تو اعلیٰ حضرت کے قدم چوم لینے کو اپنی سعادت مندی سمجھتے فصل دوم جمع صوری کے بیان میں یعنی ایک نماز کو آخری وقت میں پڑھنا کہ اس کی ادائی کے بعد دوسری نماز کا اوّل وقت شروع ہو جائے۔ اس میں میاں نذیر حسین کے علمی انداز کے لیے تیس صفحات تحریر فرمائے۔ اس لیے کہ اس بے چارے کے قلم نے لکھ مارا کہ کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر میں جمع صوری کیا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے حدیث لکھی اولاً اس کے حوالے دیئے:

(ا) ۱۔ بخاری ۲۔ ابوداؤد ۳۔ نسائی ۴۔ کتاب الحجج علی اہل المدینہ از امام عیسیٰ بن ابان۔ ۵۔ معانی الآثار امام طحاوی

۶۔ زہریات از ذہلی ۔ اس کے بعد ہر کتاب کی سند

(ب) ۷۔ مسند امام احمد بن حنبل ۸۔ ابوبکر بن شیبہ کی تصنیف۔ مصنف صاحب شیخین کے استاد ہیں۔ ۹۔ شرح معانی الآثار — بطریق مذکور۔

(ج) ۱۰۔ ابوداؤد ۱۱۔ مصنف ابن شیبہ وغیرہ

غرضیکہ جتنی اس فصل میں حدیثیں درج فرمائیں۔ سب کی پوری سند بلکہ اسناد لکھیں اور بیج کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ تاکہ میاں صاحب کی جماعت یہ نہ کہہ بیٹھے کہ اعلیٰ حضرت نے جن حدیثوں سے استناد کیا ہے۔ اُن کے راوی نا معلوم کیسے تھے۔ جیسا کہ ان حضرات کی عادت ہے۔ چنانچہ خود اُن کے شیخ الکل میاں صاحب آخر از عادت معلومہ کہہ چکے تھے۔ کہ یہ روایات ابن عمر جن سے جمع صوری کرنا واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں (معاذاللہ ثم معاذاللہ)

اس قول پر اعلیٰ حضرت نے میاں صاحب کے متبعین کی جو گت بنائی اور اسی قول پر دس ایسے شاندار لطائف پیش کئے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہوگا۔ ان دس لطیفوں میں بے شمار کتب اسماء الرجال سے واضح فرمایا کہ مذکورہ احادیث کے راوی کس پایہ کے بزرگ ہیں اور میاں صاحب نے جان بوجھ کر زبردست جرم کا ارتکاب کیا کہ ایسے اکابر کی مرویہ احادیث کو مردود کہا بلکہ ان لطائف میں اعلیٰ حضرت نے اُن کی سیکڑوں تحریفوں اور علمی بے مائگی پر میاں صاحب کی علمیت و دیانت کا پول کھولا۔ اور حواشی پر اسماء الرجال کی لاجواب بحث لکھی۔ اختصار مدنظر ہے۔ ورنہ اعلیٰ حضرت کے بیان کردہ اسماء الرجال کی ابحاث کو احاطۂ تحریر میں لاتا جس سے قارئین کو معلوم ہو جاتا کہ اعلیٰ حضرت کو فنِ حدیث کے متعلقات پر کس درجہ تبحر حاصل تھا۔ اب فصل ثانی کا حال سنئے۔

میاں نذیر حسین صاحب نے حسب عادت معیار الحق میں بڑے زور شور سے دعویٰ کیا کہ جمع تقدیم (یعنی ایک وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلاً بلا فصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں) جائز ہے۔ اس فصل دوم میں اعلیٰ حضرت نے میاں صاحب کے دعویٰ کو باطل قرار دیتے ہوئے ثابت کیا کہ جمع تقدیم غایت درجہ ضعف و سقوط میں ہے حتیٰ کہ بیشتر علمائے شافعیہ و مالکیہ تک اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے باب میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی۔

ما شاء اللہ! ایک شان ہے اعلیٰ حضرت کے علم و حکمت اور فضل و کمال کا کہ ایک طرف تو احادیث کی صحت و ضعف کی تحقیق ہے اور دوسری طرف تمام مذاہب کی کتب کا علم کراحناف کے ساتھ بعض شوافع و نیز مالکی بھی تقدیم الصلوٰۃ کے بارے میں متفق ہیں اور اس صورت میں جن احادیث سے بعض لوگ جمع کا استدلال کرتے ہیں وہ سب ضعیف و ناقابل عمل ہیں لیکن میاں صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو کہ "معیار الحق" میں لکھتے ہیں کہ "احادیث صحاح جو جمع بین الصلاتین پر قطعاً و یقیناً دلالت کرتی ہیں" اعلیٰ حضرت نے میاں صاحب کے اس دعویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمایا کہ بہت اچھا ہم بھی مشتاق ہیں مگر یہ حاصل ہے

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا!

چنانچہ یہی ہوا کہ میاں صاحب کی پونجی صرف دو حدیثیں نکلیں اور وہ بھی ضعیف۔ جن کا ضعف اعلیٰ حضرت نے سیکڑوں کتب کے حوالہ سے بارہ صفحات میں تحریر فرمایا اور ان صفحات میں حدیث کے بنیادی فن "اسماء الرجال" کی تحقیق کے دریا بہا دیئے اور "معیار الحق" میں میاں صاحب نے مولانا ارشاد حسین[1] رامپوری رحمۃ اللہ علیہ پر جس قدر رکیک حملے اور ناجائز اعتراضات کئے۔ اعلیٰحضرت نے ان سب کو ہباءً منثوراً فرما کر ایسے محکم دلائل و براہین پیش کئے کہ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے ساکت و صامت ہو گئے۔ اور مفہوم و معانی کی گیارہ غلطیوں کی نشان دہی کی اور پھر اس پر تین افاضے درج فرمائے اور ہر افاضہ میں علمی فیوضات کا سمندر موجزن ہے۔ قارئین کے لیے اس کا مطالعہ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ اس کے افاضات میں جہاں اعلیٰ حضرت اقول فاقول ثم اقول لکھتے گئے۔ ان عبارات میں موصوف علمیت کے موتی بکھیرتے چلے گئے۔ سبحان اللہ! ماشاء اللہ!!

فصل سوم میں اعلیٰ حضرت نے میاں صاحب کے اس دعویٰ کا بھی رد فرمایا ہے کہ جمع تاخیر (یعنی پہلی نماز ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت و اختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل

---

[1] مولانا ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمۃ پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ مولانا موصوف نے بھی اسی معیار الحق کے جواب میں "انتصار الحق" کتاب لکھی تھی۔ (اختر شاہجہانپوری)

جائے گا کہ پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اس وقت کی نماز ادا کریں گے جائز ہے۔

لطیفہ غیر مقلدین کے میاں صاحب نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں جمع و تاخیر کے دعوٰی کے لیے کہیں چودہ کہیں پندرہ صحابیوں سے روایت کا آنا لکھا۔ عوام کو دھوکا دینے کے لیے مخالفین کا یہ ایک حربہ ہے کہ وہ متعدد آیات و احادیث فرفر پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ خواہ اُن کا مطلب کچھ بھی ہو۔ تاکہ علمِ دین سے بے بہرہ لوگ آسانی سے اُن کے دامِ تزویر میں آجائیں۔

حکایت ایک وہابی مولوی نے کہیں کہہ دیا کہ "مدینہ پاک، غوث پاک، حسین پاک وغیرہ وغیرہ کہنا شرک ہے۔ کیونکہ پاک تو صفت اللہ تعالٰی کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۔ سُبحان اللہ

اس قسم کی بیسیوں آیتیں پڑھ دیں۔ جس پر عوام دھوکا میں آگئے اور سوچا کہ مولوی ٹھیک کہتا ہے۔ ہمارے ایک سُنّی بزرگ نے سُن کر فرمایا:

"مولوی صاحب! یہ تو بتائیے کہ آپ نماز پڑھا کرتے ہیں؟"

اُس نے کہا: "جی ہاں!"

پھر پوچھا۔ "جس پانی سے آپ وضو کرتے ہیں، وہ پلید ہے یا پاک؟"

اُس نے کہا: "پاک"

پھر سوال کیا: "جن کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں وہ؟"

اُس نے جواب دیا: "پاک"

"اور جس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں وہ؟"

اُس نے کہا: "پاک"

پھر سُنّی بزرگ اُس سے یوں مخاطب ہوا: "بے وقوف! پانی۔ کپڑوں اور زمین کو پاک کہنے سے شرک لازم نہیں آیا۔ کیا شرک کو صرف انبیاء اور اولیاء کے پاک ہونے سے ضد ہے؟"

اس پر وہ وہابی مولوی کھسیانا ہو کر چلتا بنا۔ کچھ یہی کیفیت میاں نذیر حسین صاحب کی ہے کہ انہوں نے بڑے دعویٰ سے کہہ دیا کہ میرا موضوع چودہ پندرہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے گرفت فرمائی تو صرف چار حدیثیں نکلیں اور وہ بھی ضعیف۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے پہلے دو حدیثوں کا تارپود بکھیرا جن کا حال آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ اب باقی دو کے متعلق بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

میاں نذیر حسین کی پیش کردہ دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقہ سے آئی ہے اور اس کے کئی طرق ہیں اور چالیس سے زیادہ طرق اس وقت پیش نظر فقیر ہیں۔"

اللہ اللہ! کیا دعویٰ ہے؟ ایسا دعویٰ کہ جسے سن کر دنیا بھر کے محدثین گھبرا جائیں اور ایک حدیث کی صرف ایک سند یاد رکھنا بھی معنی دارد۔ پھر اس کے طرق اور وہ بھی چالیس! یہ حقیقت صرف وہ جان سکتا ہے، جسے احادیث کے فن سے گہرا تعلق و ربط ہو۔

حکایت ایک دفعہ ایک دیوبندی حافظ الحدیث عبداللہ درخواستی کسی مقام پر کہہ بیٹھے:

"مجھے اتنی حدیثیں یاد ہیں کہ کوئی میرا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا!"

میرے مربی و آقائے نعمت سیدی سندی حضرت علامہ الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد محدث پاکستان فیصل آباد قدس سرہٗ نے انہیں یہ پیغام بھیجا کہ "درخواستی صاحب! اتنی بڑی تعداد تو کجا آپ صرف پانچ حدیثیں صحیح سند کے ساتھ اس فقیر کے روبرو پڑھ کر سنا دیں تو ہم آپ کی حدیث دانی کے قائل ہو جائیں گے۔" یہ چیلنج سن کر درخواستی صاحب گھبرا گئے اور آج تک صرف پانچ حدیثیں اسناد کے ساتھ سنانے کی جرأت نہیں کر سکے۔ پھر ان چالیس طرق کی تقسیم بھی قابل ستائش ہے۔ فرمایا ان میں سے نصف سے زائد تو محض مجمل ہیں جن میں سے اٹھارہ کی طرف ہم نے احادیث مجملہ میں اشارہ کیا ہے۔ رہیں نصف سے کم، ان میں اکثر صاف صاف

جمع صوری کی تصریح کر رہے ہیں، جو اُن تاخیر متقلد کے لیے معتبر ہیں، جن میں سے چودہ روایات بخاری و ابو داؤد و نسائی وغیرہ سے اوپر مذکور ہوئی ہیں۔ بعض میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بعدِ غروب شمس جمع کرنا مذکور رہے۔ ان میں بھی بعض موقوف ہیں۔

اس تقسیم کو ناظرین حضرات انصاف کی نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارے بعض محدثین حضرات کو اتنا بھی یاد نہیں ہوتا کہ صرف حدیث "انما الاعمال بالنیات" یا "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" صرف بخاری شریف میں کتنی بار آئی ہے اور کن کن ابواب میں؟ اور کن تراجم کے تحت اور ہر باب التوجمہ میں کون کون سے راوی ہیں، اور کس کس درجہ کے، باوجودیکہ بخاری شریف متداول اور روزانہ درس میں پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ لیکن قربان جائیں اعلیٰ حضرت کے حافظہ و ذہانت پر کہ ایک روایت کے چالیس طرق ——— پھر اس کے اجمال و تفصیل کے علاوہ اجمال و تفصیل کا ہر ہر مقام، ہر ہر کتاب سے یاد اور ہر طریقہ کے راوی از بر اور ہر روایت کے درجات زبانی حفظ۔

اس اجمالی تبصرہ کے بعد جوابات شروع فرمائے۔ جواب اوّل میں علاوہ دیگر ابحاث کے اکیس[۲۱] حدیثیں نقل فرمائیں اور اُن کے ایسے محمل بیان فرمائے جس سے اعلیٰ حضرت کی شانِ محدثیت بھی علیٰ وجہ الکمال ظاہر ہوتی ہے۔ جواب دوم میں احادیث کے ذریعہ کئی جوابا۔ اسی طرح جواب سوم میں بے شمار احادیث بیان کر کے دس لطیفوں سے ان کے دعویٰ حدیث دانی کو باطل ثابت کر دیا۔ فصل چہارم میں اوقاتِ صلوٰۃ کی پابندی کا حکم اور نماز کو بے وقت ادا کرنے کی وعیدیں ہیں۔

اسی جلد دوم میں رسالہ "سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب" شامل ہے جو چھپیس[۲۶] صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں سائل کے جواب پر متعدد احادیث مع سندات اور ان کے صحیح محامل بیان فرمائے جن سے اعلیٰ حضرت کی حدیث دانی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

لہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۲۴۸

اسی جلد دوم کے آخر میں رسالہ "تیسیر الماعون لِلسکن فی الطاعون" نہیں بلکہ رسالہ "اتیان الاجر فی اذان القبر" ہے۔ سائل نے صرف اتنا پوچھا کہ قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے جواب دیتے ہوئے سولہ سترہ صفحات کا رسالہ تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں احادیث ہی بحث کی ہے، اور فقہائے کرام کے اقوال صرف توضیحاً لکھے ہیں۔ اس رسالہ میں پندرہ دلیلیں از احادیث اور ان احادیث کے حوالہ جات سینکڑوں سے زائد۔ پھر ان کی سندات اور آن کے اسماء الرجال پر بحث قابلِ تعریف ہے۔ اس کے بعد چار تنبیہات لکھیں، تنبیہ اول میں بیس اور دوم میں چالیس فوائد اور حاشیہ پر فرمایا کہ چھتیس چھتیس علمائے کرام نے بتائے اور بقایا اضافات، رضوی قسلم کے ہیں۔ باقی دو تنبیہوں میں مختلف قواعد وضوابط شرعیہ ہیں۔ ان ابحاث کو پڑھنے والا منصف مزاج یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اعلیٰ حضرت کا قلم امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم کا ترجمان ہے۔

اسی طرح فتاویٰ رضویہ جلد سوم کی سیر کیجئے کہ اس میں موصوف نے علم کے کیسے دریا بہائے ہیں۔ یہ فتاویٰ مبارکہ ۸۱۶ صفحات پر بڑی تقطیع کا ہے۔ یہ ۴۲۸ فتاویٰ اور پندرہ رسائل پر مشتمل ہے۔ اس کے چند رسائل اگرچہ فقہی جزئیات کے متعلق ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے احادیث کی روشنی میں بھی بحث فرمائی ہے جس کا مختصر بیان یوں ہے۔

اس میں ایک رسالہ "النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید" ہے۔ صفحہ ۲۸۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۱۳ تک پہنچتا ہے۔ اس میں اولاً علاوہ آیات قرآنیہ کے، بارہ حدیثیں بسند صحیح ہیں، جو اولیائے کرام کے فضائل میں بیان فرمائیں۔ اس کے بعد ۸ احادیث سے وہابیوں کی پیدائش اور ان کے نشانات بیان فرمائے۔ جن کی باقاعدہ سندات اور ماخذ درج کئے۔ اگر ان مرویات کی کتب ماخذ کو شمار کیا جائے تو سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔ اور پھر صرف ان احادیث پر اکتفا نہیں یہ تو رسالہ کے ایجاز واختصار کے پیش نظر لکھیں۔ ورنہ بے شمار احادیث، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے علم شریف میں موجود تھیں۔ جن کو آپ نے ایک دوسرے

رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں بیان فرمایا۔ نامعلوم اس رسالہ میں گنتی کہاں تک پہنچی ہوگی۔ معلوم ہو کہ یہ شمار صرف وہابیوں کی پیدائش اور ان کی علامات پر مشتمل ہے۔ اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بے پناہ علمیت کا اندازہ لگانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ جس فاضلِ اجل کو صرف ایک موضوع کی اس قدر احادیث نوکِ زبان ہیں، اور نہ صرف احادیث کے متون بلکہ ان کی اسانید اور ماخذ اور ان کے محال اور "اسماء الرجال" میں ثقہ وغیر ثقہ وغیرہ فنِ روایت پر عبور رکھنے والے خود ہی سوچیں کہ اس ذات کو اللہ تعالیٰ نے کیسا "جامع الکمالات" بنا کر پیدا فرمایا تھا۔ وللہ الحمد

اسی جلد سوم میں ایک رسالہ "سرور العید السعید فی حل الدعا بعد صلوٰۃ العید" کئی صفحات کا موجود ہے۔ جس میں صرف ایک مسئلہ کی وضاحت میں سیکڑوں احادیث کو جمع فرما دیا اور مخالفین کو دندان شکن جوابات دیے۔ بظاہر ایک مختصر تحریر ہے۔ لیکن فنِ احادیث کے ماہر کو بڑی بڑی مبسوط کتب کا نچوڑ اس میں مل جاتا ہے۔

"فتاویٰ رضویہ" جلد سوم کے بعد اب میرے سامنے صرف جلد چہارم رہ گئی ہے اس میں بھی چند رسائل احادیث کی تحقیق پر مشتمل ہیں، جن کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ اس جلد میں چار سو بیالیس[۴۴۲] فتاویٰ اور ستائیس[۲۷] رسائل شامل ہیں۔

"بذل الجوائز علی الدعا بعد صلوٰۃ الجنائز" صفحہ ۲۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۰ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں "دعا بعد صلوٰۃ الجنائز" کو سات احادیث سے ثابت فرما کر "قول حسن" "حسن صحیح لما رایت من تعدد طرقہ وقد حسن الشیخ محمد حجازی الشعرانی حدیث المعجم الکبیر" لکھ کر اپنے محدث ہونے پر مہر ثبت فرمائی کہ احادیث کے حسن و قبح اور پھر اس کے متعدد طرق سے اسے واقفیت ہوتی ہے، جسے علم حدیث کا مکمل تجربہ ہو۔ ورنہ بہت سے محدثین صرف ایک حدیث کے متعدد کیا۔ ایک طریقہ بتانے میں کتنی ہی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اس کے لیے سلسلہ روایت حدیث میں ہر راوی کی پوری تاریخ پیش نظر رکھنا نہایت

ضروری ہوتا ہے۔ پھر ایک راوی کے نام، نسب اور معاصرت کے اعتبار سے کئی لوگ ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تاریخ محدث کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کمال کی داد دیجئے کہ ایک نہیں متعدد طرق سامنے رکھ کر حدیث کی صحت کا دعویٰ فرما دیا جس پر منکر کے لیے سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس جلد میں ایک دوسرا رسالہ المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ درج فرمایا جس میں جنازہ کی دعاؤں کو حدیث کی متعدد کتابوں سے جمع فرمایا اور ہر ایک روایت کے راوی علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے۔ یہ وہ کمال ہے کہ ابنائے زمانہ اور آسمانِ علم کے شمس و قمر کہلوانے کے باوجود اس کے عشرِ عشیر کو بھی نہ پا سکے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

اسی جلد میں ایک اور رسالہ "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" درج فرمایا ہے۔ جو ص۱۲ سے شروع ہو کر ص۱۳ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پانچ مقام تحریر فرمائے۔ اور ہر مقام میں متعدد احادیث اور اُن کے طرق و اسانید اور رواۃ پر جرح و تعدیل اور ان کے درجات تحریر فرمائے۔ گویا سیکڑوں کتب کے مضامین کو سمیٹ کر دریا در کوزہ کا منظر دکھایا۔ اس رسالہ میں مجموعی طور پر احادیث کی گنتی تیس ۳۰ ہے۔ لیکن ان کے حوالہ جات کا سلسلہ یک صد سے متجاوز اور اس میں جو فوائد تحریر فرمائے ہیں لاتعداد و عسیر العلاج روحانی بیماریوں کے لیے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ کو ایک فائدہ بہت ہی پیارا لگا۔ جو قارئین حضرات کی خدمت میں تحفۃً پیش کرتا ہے۔

امام ابن حجر مکی "صواعق محرقہ" میں نقل فرماتے ہیں کہ جب امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے تو چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا حافظانِ احادیث امام ابوزرعہ، امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بے شمار طالبانِ علمِ حدیث حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ اپنا جمال مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے۔ امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا

کہ پردہ ہٹا لیں خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے مشرف ہوئیں۔ دو گیسو شانہ پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے کوئی روتا ہے۔ کوئی خاک پر لوٹتا ہے کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی "خاموش!" سب لوگ خاموش ہو رہے۔ ائمہ مذکورہ نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کی عرض کی۔ حضور نے فرمایا:

حدثنی ابی موسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رخصت ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا قلم دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے۔ بیس ہزار سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون برئ من جنتہ" یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھو تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔[1]

اس جلد میں ایک اور رسالہ درج فرمایا "بریق المنار بشموع المزار" اس میں بے شمار احادیث پر محدثانہ تبصرہ و تنقید سے مخالفین کے تمام اوہام جدیدہ و قدیمہ کی خوب خبر لی ہے ایک ایک اعتراض کے متعدد جوابات محدثانہ رنگ میں دیئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فن حدیث پر آپ کو نہ صرف عبور حاصل تھا بلکہ محققانہ کلام کے پیش نظر آپ پر اپنے زمانہ کے علامہ عینی اور عسقلانی ہونے کا گمان ہوتا ہے یہ رسالہ ص۱۴۲ سے شروع ہو کر ص۱۶۱ پر ختم ہوتا ہے۔

---

[1] فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۱۳۶

اس میں ایک اور رسالہ ہے "جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور" ص۱۹۶
سے شروع ہو کر ص۲۰۱ پر ختم ہوتا ہے۔ محدثانہ کلام فرماتے ہوئے متاخرین محدثین سے جو چند
تسابل ہوئے ان کا انکشاف ایسے پیارے انداز میں فرمایا کہ ایک طرف نفس مسئلہ کی وضاحت
ہو گئی۔ تو دوسری طرف محدثین کرام پر بھی حرف نہ آنے دیا اور احادیث کے معارضات کو سلجھے
ہوئے انداز میں حل فرما کر اپنے مقصد کی متعدد حدیثیں بیان فرمائیں ایک جگہ امام بخاری رحمۃ
اللہ علیہ کی سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں اگرچہ امام بخاری کی سند پر کسی کو گلہ نہیں۔
لیکن محدثِ اعظم نے اس راوی کے اسماء کی متعدد کتب احادیث سے حاشیہ نگاری فرمائی۔ قابلِ دید

رسالہ ہے۔

اس جلد میں ایک اور رسالہ "الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحہ" ص۱۸۵ سے
شروع ہو کر ص۱۹۳ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں بعض سلف صالحین کی کتب سے مسئلہ کی وضاحت فرماتے
ہوئے متعدد احادیث صحاح سے اور تعیینِ وقت کو جائز ثابت کیا۔ اسی جلد میں ایک رسالہ "اتیان
الارواح لدیارھم بعد الرواح" ص۲۳۱ سے شروع ہو کر ص۲۳۵ پر ختم ہوتا ہے اس میں احادیث
نقل کر کے اصولِ حدیث پر سات نکتے درج فرمائے اور ہر کلیہ میں بے شمار فوائد۔

اس جلد میں ایک ضخیم کتاب ہے۔ "حیوۃ الموات فی بیان سماع الاموات" ص۲۳۵ سے
شروع ہو کر ص۳۲۳ پر ختم ہوتی ہے بسماع موتی کے متعلق محققانہ گفتگو ہے۔ اس میں مجموعہ احادیث
کا ذخیرہ تین سو سے زائد ہے۔ "المقصد الثانی فی الاحادیث" میں احادیث کے بیان سے
پہلے پچاس نفیس فوائد لکھے۔ اس کے بعد ۷۵ احادیث متعدد سندات کے ساتھ لکھ کر علم حدیث
کے بیان کرنے کا حق ادا فرمایا کہ حدیث ایک اور اس کی مختلف سندات۔ یہ وہ پیارا طریقہ ہے
جس سے مخالف ہٹ دھرم نہ ہو تو اعلیٰ حضرت کا قلم چومنے سے گریز نہ کرے۔ مثلاً حدیث (ص۵۳)
طبرانی معجم کبیر میں و کتاب الدعاء میں اور ابن مندہ اور امام ضیائی مقدسی کتاب الاحکام اور ابن
حبان بکتاب اتباع الاموات اور ابو بکر غلام الخلال کتاب الشافی" اور ابن الزبیر وصایا العلماء

Marfat.com

عندالموت، اور ابن شاہین کتاب "ذکر الموت" و دیگر علمائے محدثین اپنی تصانیف حدیثیہ میں الخ
دیکھا۔ آپ نے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے صرف ایک حدیث بیان فرمانے میں حدیث کی آٹھ کتابوں کا
ذکر فرما کر حدیث کی صحت کا کیسا اعلیٰ طریقہ اختیار فرمایا۔ پھر اور دیگر علمائے محدثین کی طرف اشارہ
بھی قابل غور ہے کہ محدث اعظم نے اپنے علمی تبحر سے بتایا کہ اس حدیث کے ماخذ صرف آٹھ کتب
ہی نہیں بلکہ اور بھی حدیث کی کتابیں میرے پیش نظر ہیں، لیکن بخوف طوالت صرف آٹھ کا نام لیا۔
یہ بھی یاد رہے کہ تصانیف حدیثیہ کی قید بتاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو
دیگر فنون مثلاً فقہ۔ اصول فقہ۔ تاریخ۔ اسماء الرجال۔ جرح و تعدیل۔ تفسیر۔ اصول تفسیر
وغیرہا کی متعدد تصانیف ملاحظہ فرمائی ہیں۔

احادیث کی نقل کے بعد "المقصد الثالث" میں بتایا ہے کہ اس مسئلہ کو فلاں فلاں صحابہ
و تابعین و تبع تابعین و فقہاء کرام و محدثین حضرات نے مانا ہے چنانچہ اولاً گیارہ صحابہ کرام کے
اسماء گرامی لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ میں ان کے سوا ان صحابہ کرام کے نام یہاں شمار نہیں کرتا جنہوں
نے سماع و ادراکِ موتیٰ کی روایات کو حضور اطہر و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حضور کی زبان
پاک سے سن کر بیان فرمایا مثل عبداللہ بن عباس ان کے بعد تابعین و تبع تابعین و اعاظم و
اکابر علمائے محدثین و فقہائے کرام (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) جن کے اسمائے گرامی متن و حاشیہ پر
پونے دو سو شمار فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ "فقیر غفر اللہ لہٗ نے ان ائمہ سلف و علمائے خلف سے
صرف انہیں اکابر کے اسماء طیبہ گنے جن کے کلام میں خاص سماع و ادراک و علم و شعور اہلِ
قبور کے نصوص قاہرہ یا دلائل باہرہ ہیں۔ پھر ان میں بھی حصر و استیعاب کا قصد نہ کیا کہ اس
کی راہ میں بلادِ شاسعہ و براری واسعہ و جبال شاہقہ و بحار زاخرہ ہیں۔ بلکہ حاشا وہ بھی باہتمام
ذکر نہ کئے جن کے اقوال ہدایت اشتمال اس وقت میرے سامنے جلوہ فرما و متیسر حالت حاضرہ
ہیں"۔ ان پونے دو سو میں اور دس اہل علماء کے اسماء لکھے جن پر مخالفین کو اعتماد ہے پھر ایک
صنف اور بڑھا کر ایک سو علماء کی عبارات نقل فرما کر پورے تین سو شمار ہوئے۔ اس کے علاوہ

بے شمار عجیب وغریب ابحاث کتاب میں مندرج ہیں۔ اہل انصاف ذرا غور فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے علم کا سمندر کس حیرت انگیز حد تک موجزن ہے کہ اتنے لاتعداد علماء محدثین کے اسماء حفظ اور اُن کے اقوال زبانی یاد اور پھر ان کے حالات ازبر، اس کے بعد ان کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کی معلومات اور یہ بھی معلوم کہ ان کے اقوال واحوال کون کون سی کتب میں بلکہ کس جلد اور کون سے صفحے پر ہیں۔

چیلنج ہے تمام موجودہ جماعتوں کے خواص وعوام کو، کیا آپ صاحبان اپنے اپنے مقتداؤں کی فہرست میں کوئی ایک ہی ایسا عالم پیش کرسکتے ہیں۔ جسے ہمارے ممدوح کا مدِ مقابل یا ثانی کہا جاسکے؟ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔"

اسی جلد رابع میں ایک رسالہ "اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ" ہے۔ صفحہ ۴۳۳ سے شروع ہوکر صفحہ ۴۳۹ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں اولاً متعدد احادیث متعدد طرق واسانید کے ساتھ نقل فرمائیں پھر اُن کی شروح سے وضاحت فرمائی۔

اسی جلد رابع میں الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم" ہے۔ جو صفحہ ۴۴۷ سے شروع ہوکر صفحہ ۴۵۴ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں احادیث نقل کرکے نفس مسئلہ کی احادیث کی روشنی میں سترہ توجیہیں بیان فرمائیں۔ اسی جلد رابع میں ایک رسالہ المبین ختم لاجلۃ فی امور الاھلۃ" ہے۔ جس پر خود شرح "نور الادلۃ للبدور الاجلۃ" کے نام سے لکھی اور ساتھ ہی اسے حواشی سے مزین فرمایا جواشی کا نام "رفع العلۃ عن نور الادلۃ" ہے۔ یہ تینوں رسالے صفحہ ۵۶۸ سے شروع ہوکر صفحہ ۵۹۴ پر ختم ہوتے ہیں۔ شرح اور حواشی میں مسائل کی تحقیق احادیث کی روشنی میں ہے۔ بہت تھوڑے اقوال فقیہانہ نقل فرمائے ورنہ تمام ابحاث کو احادیث وآثار سے مزین فرمایا۔

اسی جلد رابع میں ایک رسالہ "العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار" ہے۔ صفحہ ۶۵۲ سے شروع ہوکر صفحہ ۶۵۵ پر ختم ہوتا ہے۔ مسائل کے جواب میں احادیث صحیحہ درج فرمائیں

اور ان کی وضاحت شروح احادیث سے بیان فرمائی۔ اسی جلد رابع میں ایک رسالہ "صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین" عربی زبان میں تحریر فرمایا اور عربی کے محاورات ایسے فصیح و بلیغ ہیں کہ جن کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کو ہندی کہنا ناموزوں سا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ آپ کا غیر واقف آپ کے نام کے ساتھ ہندی کا لفظ سن کر یقین نہیں کرے گا۔ کمال یہ ہے کہ پورے رسالہ میں احادیث بھی لکھتے گئے اور ان کی شرح بھی خود عربی زبان میں کرتے گئے اور سوال و اعتراضات کے جوابات بھی تسلی بخش دیتے گئے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حدیث دانی کے لیے یہ تحریر بالکل ناکافی ہے۔ ابھی جلد رابع تک چند رسائل کا تذکرہ نہایت ہی اختصار سے کیا ہے۔ تا حال فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلد باقی ہیں۔ نامعلوم اُن میں کتنے رسائل حدیثیہ ہوں گے۔ اور پھر فتاویٰ رضویہ کے علاوہ دوسری تصانیف مشتملہ بر مضامین فنونِ احادیث میں کیا کچھ ہوگا؟ افسوس! کہ فقیر پُر تقصیر اپنی حسرت پوری نہ کر سکا۔ اب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ کے جوابات کو ملاحظہ فرمائیں کہ اگرچہ اعلیٰ حضرت اہلِ علم کی نظروں میں فقیہ بے نظیر مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے مخالف ہندی علمائے دیوبند جو ہر وقت ان کے نام سے چڑتے ہیں، لیکن انہیں بھی آپ کی فقاہت کا نہ صرف اعتراف ہے بلکہ آپ کو فقہ کا حافظ مانتے ہیں، اس کے باوجود آپ فتاویٰ لکھتے وقت اکثر و بیشتر مقامات پر صرف حدیث ہی سے جواب دیتے تھے۔ بلکہ فقہی جزئیات میں شواہد احادیث ضرور لاتے تھے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند ایک فتاویٰ مختصراً و ملخصاً ذیل میں درج کرتا ہوں۔

فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص۱۴۲ پر سائل نے ایک کتاب (فقہ اُردو) کا حوالہ دے کر پوچھا کہ مسواک اگر بالشت بھر سے زائد ہے تو وہ مرکب شیطان ہے۔ اس فقہ کے جزئیہ کی سند حدیث بتائیے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت بتائی اور اس پر تین کتابوں کے حوالے دیئے۔

لہ فتاویٰ رضویہ کی پانچویں جلد مبارک پور سے چھپ گئی ہے (ادارہ)

اس فتاویٰ میں صفحہ ۳۲-۳۳ پر سوال ہے کہ ہندو یا نصرانی وغیرہ کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک ؟ اس پر متعدد احادیث سے جواب تحریر فرمایا اور فقہ کے حوالے صرف تائید اً پیش فرمائے چونکہ اس جلد میں زیادہ رسائل پر زور دیا گیا ہے۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم صہ۳ پر کافر کے جھوٹے پانی سے وضو نہیں کرنا چاہیئے کا حدیث "ایاك وما یسوء الاذن" سے کیا خوب استدلال کیا ہے ؛ اسی جلد میں صہ۱۹ پر ایک عجیب وغریب سوال کا جواب ایسی دو حدیثوں سے دیا جو کتب صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب میں موجود نہیں۔ سوال یہ تھا کہ کیا نقشبندی طریقے کا شغل ذکر و مراقبہ وغیرہ عورت بحالتِ حیض ونفاس وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟ اعلیٰ حضرت کا استدلال احادیث صحاح سے کیا خوب ہے۔

اسی جلد میں صہ۲۱-۲۲ پر ایک مسئلہ کہ حائضہ عورت کا پکا ہوا کھانا یا اُسے ساتھ کھلانا جائز ہے یا نہیں ؟ اعلیٰ حضرت نے اس سوال کا جواب احادیث سے دیا اور اسی جلد میں صہ۲۲-۲۳ پر ایک سوال کہ بحالت حیض جماع کرنے کے کفارہ کی بحث احادیث سے کی۔ جتنے مختلف فیہا اقوال از احادیث تھے۔ سب کو نقل فرما کر احناف کے مذہب کی خوب توضیح فرمائی۔ اسی جلد کے صہ۳۳ میں سوال ہوا کہ ہاتھی کے دانت استعمال کرنے شرعاً کیسے ہیں ؟ تو آپ نے اس سوال کو احادیث سے حل فرمایا۔ صہ۱۱۵ میں سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور کے سوال پر کہ کفار کا استعمال کیا ہوا چرس ڈول وغیرہ دھو کر اور صاف کر کے مسلمان استعمال کر سکتے ہے یا نہیں ؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کا متعدد صحیح احادیث سے جواز ثابت فرمایا۔ صہ۱۲۶ میں ایک سوال ہے کہ حضرت رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیشاب کے بعد اکثر مرتبہ استنجا پانی سے کیا یا ڈھیلو سے ؟ اس کا جواب متعدد احادیث کے حوالہ سے سپردِ قلم فرمایا۔

(صہ۱۳۰ میں) سوال ہوا کہ مذی سے استنجا کیوں نا جائز ہے۔ اس کا جواب بھی آپ نے

احادیث کی روشنی میں دیا۔

صلا ۱۳۰ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی چار خرابیاں بیان فرما کر متعدد احادیث سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت ثابت فرمائی۔ چند ایک احادیث سے جواز کا شبہ ہوتا تھا۔ اُن کے ایسے محدثانہ جوابات رقم فرمائے کہ وہ آپ ہی کے لائق تھے اسلاف کی کتب میں اس طرز کے جوابات نہیں پڑھے گئے۔ موجودہ دور کی طرح آپ کے دادا جان حضرت مولانا شاہ رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے جعلی وصیت نامہ کی تردید فرمائی تھی پھر آپ سے بھی اسی قسم کا سوال ہُوا تو آپ نے اس کے جو جوابات عنایت فرمائے۔ اس سے نہ صرف آپ کی حدیث دانی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ مجتہدانہ طور پر ایسی گفتگو فرمائی کہ پڑھنے والے کو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جتنی احادیث سے آپ نے جعلی وصیت نامہ کی تردید فرمائی ہے گویا وہ احادیث آئی بھی اس وصیت نامہ کی تردید کے لیے ہیں۔[۱] اللہ اللہ! کیا شان ہے ہمارے مجدّد کی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

صلا ۱۷۱ میں ایک سوال ہُوا کہ ایک واعظ کہتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے والا بیت اللہ میں ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے والا ہے۔ اس کے جواب میں ترکِ نماز کی وعیدوں کی احادیث لکھ کر ماں کے ساتھ زنا کرنے کی تشبیہ کئی ایک اعمال کی احادیث سے لکھ کر واعظ کی غلط بیانی پر تاسف فرمایا۔

صلا ۱۹۹-۲۰۰ پر تنگ وقت میں نماز پڑھنے والے کی وعید میں متعدد احادیث نقل فرما کر صحیح وقت کی پہچان بتائی۔ اس طرح صلا ۳۲۳ پر تغلیس[۲] و اسفار[۳] کر کے پڑھنے کی احادیث اور پھر اُن میں تطبیق اور اسفار کو ترجیح دی ہے۔ اُن کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر احادیث سے مسائل کو حل فرمایا۔ اختصاراً چند عرض کر دیئے۔ اب جلد سوم ملاحظہ ہو۔

---

[۱] ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صلا ۱۶۵ تا صلا ۱۷۲
[۲] فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ لینے کو تغلیس کہتے ہیں۔
[۳] فجر کی نماز اُجالا ہونے پر پڑھنے کو اسفار کہتے ہیں۔

صفۃ الصلوٰۃ کے سوال پر متعدد احادیث درج فرمائیں۔ اور ہر حنفی طریقہ کو حدیث سے ثابت فرمایا اور تعارض کو نہایت ہی شاندار طریقہ سے اٹھایا۔ ص۴۵-۴۹ پر "رفع السبابۃ عند الشہادۃ" پر شاندار بحث فرمائی۔ عند الاحناف جتنے متعارض اقوال تھے سب کا حل احادیث سے فرمایا، اور نفس مسئلہ پر بھی متعدد احادیث مع ماخذ و حوالہ جات تحریر فرمائیں۔ اس طرح ص۴۹-۵۰ پر "رفع یدین" والی احادیث کے جوابات احادیث سے دینے اور حنفی طریقہ کی نماز، احادیث صحیحہ سے ثابت فرمائی۔

ص۶۲-۶۳ پر غیر مقلدین کے مسائل قرأت خلف الامام۔ "آمین بالجہر" "آٹھ تراویح" ایک وتر کے جوابات احادیث صحیحہ سے دیئے۔ اور متعارض احادیث کا تعارض حدیث ہی سے اٹھایا۔

ص۳ تا ص۸ پر عمامہ باندھنے کے "مسائل و فضائل" احادیث سے بیان فرمائے اور طرفہ یہ کہ سائل خود ایک بلند پایہ محدث تھے۔ یعنی حضرت مولانا علامہ محمد وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں اس موضوع پر بیس سے زائد احادیث درج فرمائیں۔ اور ان پر اعتراضات واردہ کے جوابات محققانہ طریق سے دیئے۔

ص۸۲ تا ص۸۶ غیر مقلدین کی طرف سے اعتراض ہوا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا قلم جنبش میں آیا۔ سوال میں مطالبہ تھا کہ اگر ایشان از قرآن شریف و صحاح ستہ استخراج مسائل کردہ فرستند نہایت خوب خواہد شد۔

آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ :

"الحمد للہ سلسلہ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز۔ خامہ اگر بتفصیل ہماں نامہ گرد آوردن باید لاجرم یک آیت و ہفت حدیث بسندہ می نماید۔"

ایک ایک حدیث کے کئی کئی حوالے تحریر فرمائے۔ مثلاً

حدیث اوّل میں لکھا مسلم ۱/۱۰۱ و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و دارمی و بزاز و طبرانی
و ابن السنی کلہم بہ از ثوبان الخ

سات احادیث کے بعد دو اور حوالوں سے دس کی گنتی پوری فرمائی۔ "قرأت خلف الامام"
پر بحث ص۸۰ تا ص۹۲ ہے۔ احادیث کی روشنی میں غیر مقلدین کی تردید فرمائی "قرأت خلف الامام"
کے متعلق ایسی وجیز اور جامع مانع تحریر لکھی کہ (اور یہ تمام بحث فن حدیث سے ہے) اگر
کوئی مجھ جیسا اسے لکھتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتا۔ یہ اویت "جوامع الکلم" کے مظہر کی
شان ہے کہ صرف دو ورق میں تمام ابحاث کو لپیٹ لیا۔

ص۱۹۶ پر بدمذہب کو اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور آئیں تو انہیں نکال دینے کے
موضوع کو احادیث سے خوب نبھایا۔ آخر میں نتیجہ نکالا کہ اور نجاستیں دھونے سے
پاک ہو جاتی ہیں۔ لیکن بدمذہب کی نجاست ؎

ہر چہ شوئی پلید تر باشد

ص۲۱۰ تا ص۲۱۳ رافضی و دیگر بدمذاہب سے میل جول رکھنا اور انہیں امام بنانا یا اُن
کے ملنے والے کو امام بنانے کے متعلق حدیثی تحقیق قابل دید ہے۔

اسی طرح نماز کی امامت میں احقیت کے مسائل احادیث سے بتائے ص۲۶۸ امام
معین کے نہ ہونے پر دوسرا امام تھوڑا انتظار کر کے نماز پڑھائے، تو جائز ہے۔ اس پر
احادیث سے استدلال فرمایا۔ ص۳۲۵

جماعت میں تمام نمازی برابر کھڑے ہوں غریب و امیر، اعلیٰ و ادنیٰ کا یہاں کوئی
فرق نہیں ہوتا ؎

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

متعدد احادیث سے استدلال فرمایا ص۳۴۴ تا ۳۴۷

جماعت ثانیہ کے منکر نے ایک حدیث پیش کی۔ اس کے جواب میں علاوہ رسالہ کی تحریر کے احادیث کی روشنی میں چھ جوابات مرقوم فرمائے۔ اور ہر جواب اپنی جگہ پر لاجواب ہے۔ ص۳۹۵ تا ص۳۶۷ میں یہ بحث موجود ہے۔

امام کے انتظار میں نماز دیر سے پڑھنے پر احادیث سے استدلال ص۳۶۹

بے ریش لڑکا یعنی نابالغ درمیانی صف میں ہو تو منع ہے۔ احادیث سے استدلال ص۳۸۱

"تصفیۃ الصفوف" کے لیے احادیث کے بیانات اور ان کی وضاحت محدثانہ رنگ میں

نمازیوں کے انتظار میں جماعت کی تاخیر کا استدلال احادیث سے ص۳۹۱

امام کا دونوں ستونوں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ بے شمار احادیث کی روشنی میں ص۴۱۲ تا ص۴۱۶

نماز میں نعلین "تحت العین" پر متعدد احادیث نقل کر کے مسئلہ کو بے غبار فرمایا ص۴۲۵ تا ص۴۴۹

گھر میں نوافل ادا کرنے کے فضائل از احادیث ص۴۵۵ تا ص۴۵۹

وتر کے بعد دو نفل کھڑے ہو کر پڑھنا دوہرا ثواب ہے۔ متعدد احادیث سے استدلال ص۴۶۰ - ۴۶۹

تبرکاً چند فتاویٰ جلد سوم سے نقل کر دیئے ہیں۔ ورنہ تجسس و تفحص کر کے اسی طرح اختصاراً لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔

جلد چہارم میں سے چند فتاویٰ حدیثیہ

ص۵ میں جنازہ کے آگے مولود خوانی پر متعدد احادیث سے استدلال فرمایا اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے فیض سے فقیر اویسی غفرلہٗ نے کتاب "نشر الجواہر علی الاذکار امام الجنائز" لکھی ہے۔ "دعا بعد نماز جنازہ" اس کے علاوہ ایک اور مستقل فقیر کی تصنیف ہے۔ ص۱۹ تا ص۲۳ پر یہ شاندار تحقیق ہے۔ جس سے ہر ماہر فن انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

مُردوں کو ایذا دینے کے متعلق بے شمار احادیث سے استدلال ص۳۳-۳۴۔ میّت کو جن گھڑوں سے نہلایا جائے انہیں توڑنا گناہ۔ استدلال از احادیث ص۱۴۶۔ اسی طرح تعزیت دفنِ میّت کے بعد چاہیئے۔ استدلال از احادیث ص۱۷۷۔

میّت کو دفنانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا ثبوت از احادیث ص۱۷۷ تا ص۱۸۱ بطور مُشتے نمونہ از خروارے چند مسائل لکھے گئے، ورنہ اگر صرف ان فتاویٰ رضویہ کی چاروں جلدوں کا احصار کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

یہ بات مبنی برحقیقت ہے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرّہٗ کا فقہی کارنامہ ایسا عظیم ہے کہ جس پر نہ صرف اہل سنت بلکہ جمیع مدعیانِ اسلام جتنا بھی ناز کریں، کم ہے چنانچہ عالمِ اسلام میں فقہی خدمات جس قدر اعلیٰحضرت قدس سرّہٗ نے سرانجام دیں، ایسے سلفؒ خلف میں چند حضرات ہی نظر آتے ہیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرّہٗ کی یہ فقہی خدمات بھی درحقیقت حدیث دانی پر ہی مبنی ہیں۔ کیونکہ حدیث دانی صرف نقل روایت یا حفظ الفاظ کا نام نہیں بلکہ احادیث سے استنباط اور اخذِ مسائل کا نام ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث میں ہے۔ "من یرد اللّٰہ بہٖ خیراً یفقّھہ فی الدین!" یہی وجہ ہے۔ جب ہمارے محقق علما کرام، نام کے محدث یا حافظِ حدیث پر گرفت کرتے ہیں، تو وہ "فبھت الذی کفر" کا منظر پیش کر دیتا ہے۔

حکایت

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مولوی ثناء اللّٰہ امرتسری سے میرا مناظرہ ہوا تو میں نے ایک دلیل پیش کی اور استفسار کیا کہ اس سے کتنے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں، اس پر مولوی ثناء اللّٰہ کے لبوں پر مُہرِ سکوت ثبت ہو گئی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ (بتغییر قلیل از جاء الحق)

ہمارے علاقہ کے ایک فقیہ عالم مولانا گُل محمّد شاہ صاحب مرحوم ساکن قادر پور ضلع

رحیم یار خاں دیو بندیوں کے حافظ الحدیث مولوی عبداللہ درخواستی صاحب کے مدرسہ میں چلے گئے جبکہ وہ دورہ حدیث پڑھاتے ہوئے اپنے متعلق کہہ رہے تھے کہ "مجھے بے شمار احادیث حفظ ہیں" مولانا مرحوم نے فرمایا، احادیث حفظ کر لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی علمی قابلیت بلند ہے۔ اس طرح تو بعض ہندو، سکھ اور انگریز بھی ہمارا قرآن عظیم حفظ کر لیا کرتے ہیں۔ پھر آپ نے ایک حدیث پڑھی اور پوچھا کہ اس حدیث سے احناف نے کتنے مسائل مستنبط کئے اور شوافع نے کتنے؟ درخواستی صاحب تو مولانا مرحوم کا منہ تکتے رہ گئے اور مارے شرم کے مسند حدیث چھوڑ کر حجرے میں چلے گئے۔

یہی اخذِ مسائل و استنباطِ احکام کی برکت ہے کہ ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام ائمہ فقہ و حدیث پر فوقیت حاصل ہے اور شرقاً و غرباً عالمِ اسلام پر آپ کی فقاہت کا سکہ جاری ہے۔ اور دنیا بھر میں آپ کے پیروکار دیگر تمام ائمہ کے متبعین سے بڑھ کر ہیں۔ وہ صرف اسی وجہ سے کہ آپ کو احادیث سے استنباط اور اخذِ مسائل کا وافر حصہ نصیب ہوا، ورنہ نقل روایات و تالیفات و تصنیفات کے معاملہ میں ائمہ شوافع ہمارے احناف سے بازی لے گئے ہیں۔ اس سے ناظرین کو یقین ہو گیا ہو گا کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کا بارہ جلدوں کا فتاویٰ و دیگر مکتوبات و ملفوظات و جمیع تصنیفات و تالیفات کتب سیر اور ردِّ مذاہب باطلہ بھی دراصل حدیث دانی پر مبنی ہیں اور یہی ہمارا موضوع ہے اور یہی ہمارا مقصد، لیکن میرے نزدیک قطع نظر مذکورہ بالا دلائل کے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حدیث دانی کا سب سے بڑا کارنامہ عمل بالحدیث ہے کیونکہ صرف حدیث نقل کرنا یا اس سے مسائل کا مستنبط کرنے والا اگرچہ بظاہر وہ ماہر فی الفن ہو، لیکن اس فن پر عمل نہ کرے تو ایسے کو اللہ تعالیٰ نے "کمثل الحمار" کا لقب عطا فرمایا ہے اور علم معانی کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ علم بلا عمل جہالت ہے۔ عوام اگرچہ کالانعام ہیں، لیکن آپ جس عالم کو اپنے علم پر عمل کرتا ہوا نہ پاتے اسے عالم بھی نہیں مانتے تھے۔ ایک حدیث شریف

میں آیا ہے کہ اگر کوئی متبعِ شریعت نہیں ہے اور ہوا پر پرواز کرتا ہو تو اس کے آگے تسلیم خم نہ کرو۔

مشہور ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کی خدمت میں سات سال گزارے اور محرومی کا شکوہ دل میں چھپائے گھر واپس جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت جنید علیہ الرحمہ پر اس کی یہ کیفیت ظاہر ہوگئی۔ آپ نے مولوی صاحب کو طلب فرما کر دریافت کیا۔ "آپ خفا کیوں ہوگئے ہیں؟" کہنے لگے میں نے آپ کے ساتھ اتنا وقت گزارا۔ مگر کوئی کرامت آپ میں نہیں دیکھی۔" حضرت جنید نے فرمایا: "کیا آپ نے میرا کوئی فعل خلافِ شریعت پایا ہے؟" مولوی صاحب نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ——— "آپ اس سے بڑی اور کیا کرامت دیکھنا چاہتے ہیں؟" ——— مولوی صاحب آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور پھر تکمیل علم عرفانی و روحانی کر کے ہی اپنے گھر کو لوٹے[1]۔ الغرض اگر اتباعِ شریعت اور تقویٰ کی تکمیل نہ ہو سکے تو علوم و فنون کی تکمیل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اعلیٰحضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا عامل بالحدیث ہونا فطری اور جبلی تھا۔ آپ بلا کسی تصنع اور تکلف کے سنت پر عمل فرماتے بلکہ یوں کہیئے کہ سنت پر عمل کرنے کی آپ کو گھٹی پلائی گئی تھی۔ آپ کا ہر قول و فعل، نشست و برخاست، خوراک و پوشاک، لین دین، چلنا پھرنا اور معاشرہ کا ایک ایک عمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ بچپن کے کئی ایک واقعات ابتدا میں بیان کئے جا چکے ہیں جب کہ آپ کو ابھی علمی مدرسے میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن اب جبکہ مجددیت جیسے ارفع و اعلیٰ منصب سے نوازے گئے تو خود ہی اندازہ لگایئے کہ عمل بالحدیث کی کیا کیفیت ہوگی۔ لڑکپن کے متعلق ذکاء اللہ رضوی فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت کھیل کود میں تضیع اوقات وغیرہ سے احتراز فرماتے انہیں بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔" آپ کا زیادہ وقت ایسے ہی مشاغل میں گزرتا۔ والد محترم

---

[1] مولوی محمد رضا خان "مشائخ نقشبندیہ" ... فیروز سنز لاہور

اور دیگر مہمان علمائے کرام کی صحبت سے مستفاد فرماتے۔ پانچوں وقت کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا آپ کا معمول تھا۔ اگر کبھی کسی غلطی سے سامنا ہو جاتا، تو سر جھکا لیتے۔ نامحرم کو دیکھنا گوارا نہ فرماتے۔ لڑکپن ہی سے تقویٰ کو اس قدر اپنایا تھا کہ چلتے وقت قدموں کی آواز تک پیدا نہ ہونے دیتے تھے۔

ایک تحریر کے مطابق ذکاء اللہ رضوی بارہ یا چودہ سال آپ کی خدمت میں رہے۔ رمضان شریف میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لیے بوقت سحر ایک چھوٹے سے پیالے میں فرینی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی۔ صرف اتنی خوراک تھی۔ ایک دن مولوی محمد حسین میرٹھی مرحوم نے پوچھا۔ حضور! فرینی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا "کھانا نمک سے شروع کرنا اور نمک پر ختم کرنا چاہیے۔ اسی لیے یہ چٹنی آتی ہے۔" یہ ہے سنت مصطفویہ علی صاحبہا السلام پر عمل کرنے کا پُراسرار طریقہ کہ جس کو بڑے بڑے علماء بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ ایک بار کسی وجہ سے آپ کو فجر کی نماز کے لیے مسجد پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ نمازی بیقراری کے ساتھ آپ کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ تیز تیز قدم اٹھاتے تشریف لا رہے تھے تو قناعت علی صاحب نے سوچا دیکھیں مسجد میں دایاں قدم رکھتے ہیں یا عجلت میں بایاں۔ مگر آپ نے برجستہ دایاں قدم ہی پہلے بڑھایا۔

ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کے علاوہ ہمیشہ سیدھا ہاتھ اور سیدھا قدم ہی استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ عمامے کا شملہ بھی سیدھے کاندھے پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے تو سیدھے ہاتھ سے۔ اگر لینے والا غلطی سے بایاں ہاتھ بڑھاتا تو آپ اپنی چیز واپس کر کے فرماتے سیدھا ہاتھ بڑھائیے۔ ایسے نبوی طریقے آپ نے بریلی شریف کے مرد و زن دیکھ کر حضرت پر ایسے اثر انداز ہوئے کہ آج تک جسے بھی بریلی شریف سے نسبت ہے، وہ سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق و عامل بحیثیت نظر آتا ہے۔

۱؎ سوانح امام احمد رضا خاں [illegible]

۲؎ ایضاً

ہم نے سیدی، اُستاذی مولانا علامہ الحاج سردار احمد صاحب محدث پاکستان قدس سرہٗ کو آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کا کوئی عمل سنت مصطفویہ و حدیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف نہ تھا اور فرماتے تھے کہ یہ ساری برکت بریلی شریف کے آستانہ عالیہ کی ہے۔ ایک بار رمضان المبارک میں اعلیٰ حضرت اپنی مسجد میں معتکف تھے۔ رات کا وقت تھا اور سردی کا موسم، شاید بارش ہو رہی تھی۔ آپ کو نماز عشاء کے لیے وضو کرنا تھا، پانی تو بہت موجود تھا، مگر وضو کرنے کے لیے جگہ نہیں تھی۔ آپ نے اپنے لحاف کی چار تہہ کرکے اس پر وضو کیا اور نماز ادا فرمائی، مگر مسجد کے فرش پر قطرہ تک گرنے نہ دیا۔ اگرچہ رات بغیر کچھ اوڑھے گزار دی۔[1]

یہ ہے سچا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع شریعت، کہ جان کی پروانہ کرتے ہوئے سردی تو برداشت کر لی، لیکن مسجد کی بے ادبی نہ ہونے دی۔ تاکہ سُنتِ مصطفیٰ علیہ التحیتہ والسلام کے خلاف نہ ہو جائے۔ کہاں ہیں چوری کھانے والے مجنوں اور عمل بالحدیث کا ڈھونگ رچانے والے؟ ذرا اس حکایت پر غور تو فرمائیں! اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ صرف پابندِ شریعت اور تقویٰ شعار ہی نہیں تھے، بلکہ دین کے ہر معاملہ اور شریعت کے ہر مسئلہ میں بہت ہی احتیاط فرماتے اور یہ احتیاط علوم دینیات اور خصوصاً احادیث وغیرہ کا فیض تھا۔ جس قدر آپ کی نگاہ علوم شرعیہ میں بلیغ ہوتی گئی۔ اُسی قدر آپ کے مزاج میں احتیاط فی الدین کا شعور پیدا ہوتا گیا۔

ایک دفعہ برسات کا موسم تھا اور عشاء کا وقت، ہوا کے تیز جھونکے کڑوے تیل کے چراغ کو بار بار گل کئے دیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ نے ایک لالٹین میں ارنڈی کا تیل ڈالا اور روشن کرکے آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے وہ لالٹین دیکھ کر فرمایا کہ "یہ یہاں سے ہٹا دی جائے"۔ اور فرمایا "یہ لوگ باہر سے دیکھیں گے تو

---

[1] سوانح امام احمد رضا ص۵۸

کہیں سگے کہ مسجد میں گیاس لائٹ میں تیل رہا ہے جبکہ مساجد میں بدبودار تیل کا جلانا جائز نہیں اور وہ لالٹین آپ کے حکم سے ہٹا دی گئی۔

واضح ہو کہ اس لالٹین کو روشن ہونے میں ہر چند کوئی شرعی سقم نہ تھا مگر مخالفین کو طعن و تشنیع کا موقع نہ دینے کی احتیاط پیش نظر رہا۔ دوسری احتیاط یہ بھی ملحوظ خاطر تھی کہ کہیں کوئی نمازی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ لالٹین میں مٹی کا تیل جل رہا ہے اور مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز سمجھ بیٹھیں۔ ایک مرتبہ آپ کو آشوب چشم کی شکایت ہوئی، تو آپ نے مولانا ظفرالدین قادری کو بلایا اور پوچھا کہ پانی آنکھوں سے باہر تو نہیں آرہا۔ اگر پانی آنکھوں کے حلقوں سے باہر آجاتا تو آپ دوبارہ وضو فرماتے۔

مولوی محمد حسین میرٹھی مرحوم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ وہ بھی اعلیٰ حضرت کے ساتھ معتکف تھے۔ آپ نے عصر کی نماز باجماعت پڑھائی، اور معتکفین اپنے اپنے گوشوں میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص مولوی محمد حسین صاحب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: "دیکھیے! اعلیٰ حضرت اپنی نماز دہرا رہے ہیں۔" مولوی محمد حسین صاحب کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت ... جب آپ سلام پھیر چکے تو مولوی صاحب نے عرض کیا۔ "آپ بھول گئے تھے؟" آپ نے فرمایا کہ قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بٹن ٹوٹ گیا تھا۔ کیونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں نے آپ کو شامل کیے بغیر احتیاطاً اپنی نماز دہرائی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو احادیث کی دعاؤں پر اتنا یقین کامل تھا کہ جس قدر اطباء اور ڈاکٹر اپنے تجربات و مشاہدات بتاتے سب کو اپنے یقین کامل سے ٹھکرا دیتے۔ ایسے چند واقعات حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ص۹۱ تا ص۹۳ پر بالتفصیل موجود ہیں۔

لہ سوانح امام احمد رضا ص۵ از علامہ بدرالدین احمد قادری طبع لاہور
لہ حیات اعلیٰ حضرت جلد اول ص۱۲۴

بخوفِ طوالت یہاں نقل نہیں کئے جاتے اور یہ نہیں کہ شرعی امور پر عمل اور ان پر تصلب اپنی چار دیواری یا مریدین، معتقدین کے حلقہ تک محدود تھا بلکہ بڑے بڑے جابر حاکم لوگوں کے سامنے بھی مرعوب ہو کر شرعی امور کی پابندی سے باہر نہ ہوتے۔

جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حضرت مولانا ارشاد حسین رام پوری قدس سرہٗ کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا، تو نواب رامپور کو اعلیٰ حضرت کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ آپ کے کسی عزیز کے ذریعے اعلیٰ حضرت کو بلایا گیا۔ جب آپ نواب کے دربار میں تشریف لے گئے، تو آپ کو بیٹھنے کے لیے چاندی کی کرسی پیش کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا "چاندی کا استعمال مردوں کے لیے درست نہیں" اور لکڑی کی کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

یہ وہ جرأت ہے کہ جہاں بڑے بڑے محدث و مفسر کہلانے والے مرعوب ہو کر علمی و عملی معاملہ میں پھسل جاتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان ایک بڑے شہر میں گیا۔ تو بڑے بڑے علماء اور مولویوں نے اُسے جھک کر سلام کیا اور جب نماز کا وقت آیا تو ایک بدعقیدہ کے پیچھے سب نے نماز ادا کی۔ لیکن کسی کو بات کرنا تو درکنار، اس مجلس سے چلے جانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اور اعلیٰ حضرت کا تقویٰ و طہارت اور پابندئ شریعت صرف تندرستی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ بڑی بڑی تکالیف اور بیماریوں میں بھی شریعت مصطفویہ و سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دامن نہ چھوڑتے۔

غرضیکہ اعلیٰ حضرت جہاں حدیث و سنت کے ایک بہت بڑے عالم تھے، وہاں پورے عامل بھی تھے۔ گویا علماً و عملاً آپ حدیث و سنت کے مجمع البحرین تھے۔ آپ کی ذات میں حدیث و سنت کی نہ علمی کمی تھی اور نہ عملی۔ ان ہی کمالات کے پیش نظر عرب و عجم کے علماء و فضلاء اور فقہاء و محدثین نے آپ کے فضائل و مناقب کا اعتراف کیا۔[۱]

---

[۱] حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل ص ۱۲۴

اس موضوع کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

آخر میں ایک نہایت ضروری اور اہم بات نقل کر کے مضمون ھذا کو ختم کرتا ہوں۔ یعنی مولانا قاضی اللہ بخش لیاقت پوری فاضل دیوبند فرماتے ہیں کہ "ہم مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے کہ دوران سبق کسی طالب علم نے حاضر و ناظر کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ ——— مولانا کشمیری نفی کے دلائل دینے لگے۔ اس پر کسی طالب علم نے کہا کہ "بریلی کے مولوی احمد رضا تو حاضر و ناظر کے مثبت پہلو کے قائل ہیں۔" مولانا کشمیری نے فرمایا کہ "پہلے احمد رضا تو بنو، پھر یہ مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔"

واقعی یہ بات بڑے پتے کی ہے چنانچہ امام شعرانی قدس سرہٗ "لواقح الانوار القدسیہ" میں فرماتے ہیں کہ "حاضر و ناظر کا مسئلہ سلوک کی دو سو منازل طے کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے۔" اس کی تائید خواجہ غلام فرید چاچڑانی قدس سرہٗ کے درج ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

الیوم بنظر جدید ہر وقت یار تے دید
کھول عشق قلب کیند دے

یعنی جب سے عشق حقیقی کے ذریعے قلب کی صفائی نصیب ہوئی تو اب محبوب و مطلوب ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "تسکین الخواطر فی تحقیق الحاضر والناظر" المعروف "دلوں

ا؎ اس کی تفصیل کے لیے کتاب "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" از پروفیسر محمد مسعود احمد شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور ملاحظہ کی جائے۔ (ادارہ)

۲؎ قاضی صاحب ابھی زندہ ہیں اور لیاقت پور ضلع رحیم یار خان میں مقیم ہیں اور دیوبندی عقائد کے مبلغ ہونے کے باوجود یہ روایت کو بڑے ذوق و شوق سے بیان کیا کرتے ہیں۔

کا چین" میں ملاحظہ فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ

آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ اولیاءِ امتہ الطاہرین

وعلماء ملتہ الکاملین

آمین

ھذا آخر ماسطرہ الفقیر القادری ابو الصالح

مُحَمَّد فیض احمد الاویسی الرضوی غفر لہٗ خادم

الحدیث فی المدرسۃ الجامعۃ الاویسیۃ الرضویۃ

الواقعۃ ببلدۃ بہاولپور

(مغربی پاکستان)

مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمات کا مختصر جائزہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ ایک بلند پایہ عالم دین، شیخ طریقت، ولی کامل، عبقری فقیہ، مفسر قرآن، مفکر اسلام، عظیم محدث، مجدد ملت، بے نظیر شاعر اور عاشق رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت، تبلیغ و دعوت اسلام اور تصنیف و تالیف آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ نے پچاس علوم و فنون پر تقریباً ایک ہزار کتب تصنیف فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے انیسویں صدی عیسوی میں تجدید دین کا علم بلند کیا اور تبلیغ دین کے لیے بے مثال خدمات انجام دیں۔ علماء میں سے سب سے پہلے آپ نے قوم کے سامنے "دو قومی نظریہ" کا تصور پیش کیا بہت بعد میں علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح نے اسی نظریے کو اپنا کر ایک علیحدہ ملک (پاکستان) حاصل کیا۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی ان خدمات جلیلہ کو متعارف کرانے اور آپ کے افکار و تعلیمات کو عوام سے روشناس کرانے کے لیے ۱۹۶۸ء میں حکیم اہلسنت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی قادری مدظلہ نے چند احباب کے تعاون سے مرکزی مجلس رضا قائم کی۔

مجلس کے مقاصد

مجلس رضا کے قیام کا مقصد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی دینی و ملی خدمات سے تمام دنیا کو متعارف کرانا ہے۔ مجلس رضا یہ خدمات دو طریقوں سے انجام دے رہی ہے:

۱۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر ہر سال صفر المظفر میں یوم رضا کا انعقاد۔

۲۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی دینی و ملی خدمات پر لٹریچر کی اشاعت

ویسے تو مجلس کے اور بھی کئی مقاصد ہیں لیکن یہ دو مقاصد زیادہ اہم ہیں۔ چنانچہ مجلس رضا اپنے ان عظیم مقاصد کی طرف رواں دواں ہے۔

مجلس کی مطبوعات

مجلس رضا کی خدمات میں مطبوعات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مجلس رضا نے روز قیام سے لے کر آج تک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی عظیم شخصیت اور ان کے علم و فضل اور دینی خدمات پر ممتاز اہل علم و دانش کی نگارشات پر مشتمل جو کتب شائع کی ہیں۔ ان کی تعداد تیئیس (۲۳) تک پہنچ چکی ہے جو ذیل

میں ان کتب کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

نمبر شمار	کتاب	مصنف	ایڈیشن	تعداد
۱	تجلی المشکوٰۃ [۱]	اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ	۱۔ ایڈیشن	۵ ہزار
۲	فاضل بریلوی اور ترک موالات [۲]	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۲۔ ایڈیشن	۲ ہزار
۳	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام [۳]	مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری مظہری	۱۔ ایڈیشن	۱ ہزار
۴	سوانح سراج الفقہاء [۴]	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	۳۔ ایڈیشن	۳۔ ہزار
۵	پیغامات یوم رضا [۵]	محمد مقبول احمد قادری	۲۔ ایڈیشن	۲ ہزار
۶	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں [۶]	پروفیسر محمد مسعود احمد	۳۔ ایڈیشن	۳ ہزار
۷	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری [۷]	ملک شیر محمد خان اعوان	۴۔ ایڈیشن	۴ ہزار
۸	المجمل المعدد تالیفات المجدد	ملک العلماء ظفر الدین بہاری	۳۔ ایڈیشن	۳ ہزار
۹	فاضل بریلوی کا فقہی مقام [۸]	علامہ غلام رسول سعیدی	۲۔ ایڈیشن	۲ ہزار
۱۰	محاسن کنز الایمان	ملک شیر محمد خان اعوان	۴۔ ایڈیشن	۶ ہزار
۱۱	اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر [۹]	سید نور محمد قادری	۲۔ ایڈیشن	۲ ہزار
۱۲	تمہید ایمان [۱۰]	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۱۔ ایڈیشن	۱ ہزار
۱۳	فضائل درود و سلام	مولانا محمد سعید شبلی نقشبندی	۶۔ ایڈیشن	۸ ہزار
۱۴	اجلی الاعلام [۱۱]	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۱۔ ایڈیشن	۱ ہزار

[۱] ختم ہوچکی ہے۔
[۲] اب ادارہ رضا پبلیکیشنز لاہور چھاپ رہا ہے۔ لہٰذا مجلس رضا طبع نہیں کرے گی۔
[۳] المیزان بمبئی کے امام احمد رضا نمبر اور انوار رضا میں نقل ہوچکا ہے اور ہمارے ہاں موجود نہیں۔
[۴] امام احمد رضا نمبر (المیزان) اور انوار رضا میں شامل ہوچکا ہے
[۵] ختم ہوچکا۔ اس کا اکثر حصہ امام احمد رضا نمبر اور انوار رضا میں شامل ہوچکا ہے (حنیف)
[۶] ختم ہوچکی ہے۔ اب ادارہ رضا پبلیکیشنز لاہور شائع کرکے فروخت کرے گا۔
[۷] ختم ہوچکی ہے
[۸] امام احمد رضا نمبر اور انوار رضا میں شامل ہوچکا ہے اور ہمارے ہاں موجود نہیں ہے۔
[۹] ختم ہوچکا۔
[۱۰] ختم ہوچکا۔ اب اسے سنیوں کے اشاعتی ادارے شائع کر رہے ہیں۔
[۱۱] ترکی وغیرہ میں تقسیم ہوکر ختم ہوچکا ہے۔

نمبر شمار	کتاب	مصنف	ایڈیشن	تعداد
۱۵	ضیائے کنز الایمان	علامہ غلام رسول سعیدی	۲-ایڈیشن	۴ ہزار
۱۶	عاشقِ رسول	پروفیسر محمد مسعود احمد	۲-ایڈیشن	۴ ہزار
۱۷	اذکار حبیب رضا	مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری	۲-ایڈیشن	۴ ہزار
۱۸	ڈیوائن ویلیو آف اسلام (انگریزی)	مولانا عبدالستار خان نیازی	۱-ایڈیشن	۲ ہزار
۱۹	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں منصب	شاہر لکھنوی	۱-ایڈیشن	۲ ہزار
۲۰	فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں	پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی	۲-ایڈیشن	۴ ہزار
۲۱	سات ستارے	حکیم محمد حسین بدر	۲-ایڈیشن	۳ ہزار
۲۲	الفضل الموہبی (عربی)	الامام احمد رضا البریلوی	۱-ایڈیشن	۱ ہزار
۲۳	امام احمد رضا اور علم حدیث	مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی	۱-ایڈیشن	۱ ہزار
	مجموعی تعداد			۷۵ ہزار

نوٹ: سات ستارے کے ابتداء میں کتابوں کی جو تعداد بتائی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ میں نے ایک ایک کتاب کو دیکھ کر تعداد لکھی ہے۔ (ازھر)

مجلس رضا کی مطبوعات کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ مجلس کی ان کتابوں کی تعداد پچھتر ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ یہ تمام کتابیں مفت تقسیم ہو کر پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک سعودی عرب ترکی۔ افغانستان۔ آسٹریلیا۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ مصر۔ ایران۔ کویت۔ دوبئی۔ انڈونیشیا۔ انگلینڈ۔ تھائی لینڈ۔ فرانس۔ افریقہ۔ نیپال وغیرہ ملکوں کے ارباب علم و دانش سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔

مجلس رضا کی کتابوں کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کا بیان تفصیل کا محتاج ہے۔

مجلس رضا نے اعلیٰ حضرت پر جو تصنیفی و اشاعتی کام کیا ہے۔ وہ قابل قدر اور ناقابل فراموش ہے۔

مجلس رضا نے اعلیٰ حضرت کو متعارف کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ لوگوں کو موصوف کی تعلیمات کا درس دیا اور آئندہ مورخین کے لیے اعلیٰ حضرت سے متعلق اتنا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے جس سے ایک ضخیم تاریخ

---

۱ ختم ہو چکا۔

۲ انوار رضا میں بھی شامل کر لی گئی ہے۔

مرتب کی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ مجلس رضا نے مسلمانانِ اہلسنت کو کام کرنے کی ایک راہ دکھا دی۔ جس کے نتیجے میں اب اہلسنت کے کئی ادارے اعلیٰحضرت عظیم البرکت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے کارناموں کو اجاگر کرنے میں سرگرم ہیں۔ ان میں انجمن خدام اعلیحضرت لاہور چھاؤنی، انجمن خدام احمد رضا لاہور اور انجمن طلباء اسلام (پاکستان) قابلِ ذکر ہیں۔

یوم رضا

ہر سال صفر المظفر کے مہینے میں اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر مرکزی مجلس رضا نوری مسجد لاہور میں ایک جلسہ منعقد کرتی ہے۔ اس جلسہ کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ یوں تو ملک بھر میں اعلیحضرت کا عرس مبارک نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ لیکن اس جلسہ یوم رضا کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ جلسہ میں متعدد علمائے کرام، مشائخ عظام اور ممتاز دانشور شرکت فرما کر اعلیٰحضرت کی دینی و ملی، علمی اور سیاسی خدمات پر نہایت فاضلانہ انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔

مرکزی مجلس رضا نے یہ تحریک بھی چلائی کہ امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا یوم، شہر شہر منایا جائے۔ اس تحریک کا اثر ہے کہ ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق لاہور میں ہی اس مرتبہ (۱۹۸۰ء) کم و بیش پندرہ جگہ پر یوم رضا منایا گیا جس میں انجمن خدام اعلیٰحضرت لاہور چھاؤنی، انجمن طلباء اسلام لاہور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس سے آپ بخوبی انداز لگا سکتے ہیں کہ مرکزی مجلس رضا کی یہ تحریک کہاں تک کامیاب ثابت ہو چکی ہے

مرکزی مجلس رضا نے روزِ قیام سے لے کر آج تک گیارہ سال کے عرصہ میں جو گراں بہا خدمات انجام دیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ مرکزی مجلس رضا احباب اہلسنت کے تعاون سے یہ خدمات انجام دے رہی ہے۔ مجلس رضا کی ان تصنیفی و اشاعتی کوششوں کے بارے میں تقریباً ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ اس میں وسعت پیدا ہو مگر اس میں وسعت اس وقت ہی ممکن ہے جبکہ حضرات اہلسنت حسب توفیق مجلس رضا سے تعاون فرمائیں۔

دعا ہے کہ رب العزت مرکزی مجلس رضا لاہور کے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مجلس کو اپنے عظیم مقاصد کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

۱۵ر فروری ۱۹۸۰ء

محمد حنیف اظہر
لاہور چھاؤنی

یوم رضا

مرکزی مجلس رضا، لاہور ــ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کی علمی، دینی اور ملی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لئے کتب و رسائل شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال آپ کے یوم وصال (عرس مبارک) کے موقع پر جلسہ "یوم رضا" کا انعقاد کرتی ہے، جس میں ملک کے نامور علماء، فضلاء اور دانشور حضرات امام اہل سنت کے عظیم علمی کارناموں اور بے مثال دینی خدمات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ روح پرور تقریب "جامع مسجد نوری" بالمقابل ریلوے اسٹیشن۔ لاہور، منعقد ہوتی ہے۔

ازیں علاوہ "مرکزی مجلس رضا" لاہور کی طرف سے، ملک کے گوشے گوشے میں جلسہ ہائے یوم رضا منعقد کرنے کی اپیل کی جاتی ہے۔ اس تحریک سے ملک کے اکثر مقامات پر یوم رضا منایا جانے لگا ہے، مگر ہم اس میں مزید وسعت کے خواہاں ہیں۔ لہذا علماء کرام اور اہل سنت کی انجمنوں سے اپیل ہے کہ وہ یوم رضا کو وسیع پیمانے پر منانے کا اہتمام کیا کریں۔

اراکین : مرکزی مجلس رضا ۔ لاہور